ڈاکٹر محمد یامین

عطیہ فیضی کا خاندان

عطیہ فیضی کے آباؤ اجداد کا تعلق کاٹھیاواڑ اور سورت کی ریاستوں کے درمیان خلیج کیمبے (Cambay) کے ایک سرے پر واقع ساحلی ریاست کیمبے سے تھا۔ کیمبے کو کھمبایت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کے شمال میں ریاست گجرات ہے۔ جس کے اہم شہر احمد آباد اور کیمبے کی مغربی سرحد کے درمیان دریائے سابرمتی بہتا ہوا خلیج کیمبے میں گرتا ہے اور مشرق کی جانب بڑودہ اور کیمبے کے بیچ دریائے ماہی گزر کر خلیج کیمبے تک جاتا ہے ا۔ ۱۹۰۱ء میں اس ریاست کا کل رقبہ ۳۵۰ مربع میل اور آبادی پچھتر ہزار نفوس پر مشتمل تھی جب کہ کیمبے یا کھمبایت اس کی بندرگاہ اور تجارتی مرکز تھا۔ کیمبے کی بندرگاہ کا اوّلین تذکرہ عرب سیاح مسعودی کے ہاں ۱۹۱۳ء میں ملتا ہے۔۲ مارکو پولو نے بھی اپنے سفرنامے میں کھمبایت کو عظیم تجارتی مرکز قرار دیا۔۳ گیارھویں اور بارھویں صدی کے دوران کھمبایت، انہل واڑہ (Anhil Vada Kingdom) سلطنت کی اہم بندرگاہ کے طور پر معروف ہوئی۴ اور تیرھویں صدی کے اختتام تک کھمبایت مغربی ہند کی دو اہم ترین بندرگاہوں میں سے ایک تھی ۵ ۱۲۹۸ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں اس ریاست کی فتح کے وقت کھمبایت، کا شمار بھارت کے امیر ترین شہروں میں ہوتا تھا ۶ کھمبایت کی خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے ابنِ بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہ شہر دیگر شہروں کی نسبت مضبوط اور خوب صورت ہے اور اس میں بہت اچھی اچھی عمارتیں اور مساجد ہیں۔ کھمبایت کے باشندوں کے بارے میں اس نے بیان کیا ہے کہ وہ زیادہ تر پردیسی سوداگر ہیں جو عالی شان محل اور مساجد بنوانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۷ اس شہر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مغل دورِ حکومت میں جلال الدین محمد اکبر کے نام ۱۵۸۳ء میں ملکہ الزبتھ نے اپنے خط میں انھیں شہنشاہِ ہند کی بجائے ''شہنشاہِ کھمبایت'' (King of Cambay) کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ۸ کھمبایت کا شہر بندرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت اور تجارت کا مرکز بھی تھا اور یہاں سے کئی ممالک کو مختلف اشیاء برآمد بھی کی جاتی تھیں۔ کھمبایت شہر کی جامع مسجد محمد شاہ تغلق کے دور میں ۱۳۲۵ء میں تعمیر ہوئی۔ کھمبایت کی حکمرانی اٹھارھویں صدی میں ایک شیعہ خاندان کے ہاتھ آئی۔ جس کے حکمرانوں نے ''مومن خان'' کا لقب پایا۔۹ اس خاندان کے بانی مرزا جعفر نظام ثانی، مومن خان اوّل،

گجرات کے صوبے دار تھے اور ان کے داماد نظام خان کھمبایت کے حکمران ۱۷۴۲ء میں مومن خان اوّل کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مفتخر خان عرف نورالدین نے نظام خان کو قتل کر کے کھمبایت کی حکمرانی اپنے نام کر لی اور مومن خان دوم کہلائے۔ نورالدین کے انتقال کے بعد ریاست کی حکمرانی ان کے داماد اور پھر نواسوں کو منتقل ہوتی گئی اور ۱۸۸۰ء میں نواب جعفر علی، مومن خان نے ریاست کا انتظام سنبھالا۔ [۱۰]

۱۰۶۷ء میں مستعالی اسمٰعیلی فرقے کے ایک مبلغ عبداللہ یمن سے کھمبایت پہنچے۔ یہاں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئے یہ لوگ ''بوہرہ'' کہلائے۔ لفظ ''بوہرہ'' سے عمومی طور پر ''تجارت پیشہ طبقہ'' مراد لیا جاتا ہے لیکن تکنیکی اعتبار سے اس سے مراد اونچی ذات کے برہمن، ہنرمند اور کاری گر ہیں۔ [۱۱] بعض روایات کے مطابق ہندوستان میں بوہرہ فرقے کی ابتدا محمد علی نامی ایک مبلغ کی کوششوں سے ہوئی۔ محمد علی کا انتقال ۱۱۳۷ء میں ہوا اور ان کا مقبرہ کھمبایت میں ہے۔ [۱۲] بوہروں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جنھوں نے گیارھویں صدی میں عرب مشنریوں کے زیرِ اثر اپنا مذہب تبدیل کیا۔ تاہم ان میں سے کچھ کا تعلق، ان کی شکل وصورت، رہن سہن، عادت واطوار اور زبان کی بنا پر مصر، یمن اور دیگر عرب ممالک سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ [۱۳] ۱۵۸۸ء میں بوہروں کے یمن میں مقیم داعی، داؤد بن عجب شاہ کے انتقال کے بعد ان کی جانشینی کے مسئلے پر بوہروں میں اختلاف پیدا ہوا اور گجرات کے بوہروں نے گجرات ہی کے ایک باشندے داؤد بن قطب شاہ کو اپنا داعی تسلیم کر لیا۔ دوسری جانب یمن سے تعلق رکھنے والے شیخ سلیمان نے بھی داعی ہونے کا دعویٰ کیا اور ہندوستان آئے۔ لیکن یمن کی بہ نسبت ہندوستان میں کم لوگوں نے ان کے دعوے کو تسلیم کیا۔ تاہم بوہرے اس کے بعد واضح طور پر دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور داؤد بن قطب شاہ کو اپنا داعی ماننے والے ''داؤدی'' اور شیخ سلیمان کے پیروکار ''سلیمانی'' کہلائے۔ داؤد بن قطب شاہ اور شیخ سلیمان دونوں کے مقبرے احمد آباد میں ہیں۔ [۱۴]

عطیہ بیگم فیضی کے جدِّ امجد طیب علی (طیب جی) (۱۸۰۳ء۔۱۸۶۳ء) بن بھائی میاں بن حاجی بھائی بن جلال بھائی بن حاجی بھائی بن خانجی بھائی بن حاجی بھائی بن پیشی بھائی [۱۵] کا تعلق بھی سلیمانی بوہرہ جماعت سے تھا۔ اس خاندان کے سلیمانی جماعت میں شامل ہونے کے حوالے سے طیب جی کی والدہ، حرمت ولی (۱۷۷۷ء۔۱۸۷۴ء) کا بیان ان کے پوتے قمرالدین نے اس طرح نقل کیا ہے۔ ''کہتے ہیں کہ جلال بھائی کے وقت سے اپنا کُتم (خاندان) قوم داودی سے پھر کر سلیمانی میں آیا'' [۱۶] آصف فیضی، مرتب سوانح طیب علی کے اندازے کے مطابق یہ واقعہ ۱۶۷۵ء سے ۱۷۰۰ء کے درمیان کا ہے۔ [۱۷]

طیب علی کے والد بھائی میاں تجارت کرتے تھے اور کھمبایت کی بندرگاہ کے غیر اہم ہو جانے کے

باعث بمبئی کا رخ کرنے والے تاجروں میں شامل تھے۔ کھمبایت کی تباہی کی ابتدا ۱۵۳۷ء میں پرتگالیوں کے حملے سے ہی ہوگئی تھی اور پھر دریائے سامبرمتی اور دریائے ماہی سے آنے والی مٹی نے بندرگاہ میں جہازوں کا داخلہ اورمشکل کردیا۔ ۱۶۱۶ء میں انگریزوں اور ۱۶۱۷ء میں ولندیزیوں (Dutch) نے جب سورت میں کارخانے قائم کیے تو زیادہ تر تجارتی سرگرمیاں سورت منتقل ہوگئیں اوراورنگزیب کی وفات کے بعد مرہٹوں کے حملوں نے کھمبایت کی صنعت وتجارت کو مکمل تباہی کے کنارے پہنچادیا۔ ۱۸؎ یہ وہ دور تھا جب بمبئی کی بندرگاہ نے عروج حاصل کرنا شروع کیا۔ بھائی میاں نے بمبئی میں بڑی محنت سے اپنا کاروبار جمایا لیکن ۱۸۰۳ء میں جب بھائی میاں کی عمر پچاس سال تھی ایک زبردست آگ میں ان کا تمام اثاثہ جل کر راکھ ہوگیا۔ ۱۹؎ بھائی میاں نے اس مشکل وقت میں اپنی بیگم حرمت ولی کو دوبارہ کھمبایت روانہ کردیا۔ جہاں انھوں نے ۲۰رستمبر ۱۸۰۳ء کو طیب علی کو جنم دیا۔ ۲۰؎ یہ دور بھائی میاں کے خاندان کے لیے سخت مشکلات کا دور تھا۔ جب طیب علی کی عمر محض سات یا آٹھ برس کی تھی تو انھوں نے اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام کرنا شروع کردیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پڑھنا لکھنا بھی جاری تھا۔ ۱۸۱۴ء میں بھائی میاں نے اپنے چھوٹے بیٹے فیض حیدر کو جن کی عمر اس وقت نو برس کی تھی کھمبایت میں چھوڑا اور طیب علی کو لے کر ایک بار پھر بمبئی آگئے۔ بمبئی میں بھائی میاں اور طیب علی نے پھیری کر کے مختلف اشیاء فروخت کرنا شروع کیں۔ اس دوران طیب علی چھ ماہ کے لیے اسکول بھی گئے۔ طیب علی بہت ذہین تھے۔ انھوں نے پھیری کے دوران بہت سے کاروباری لوگوں سے دوستی کرلی۔ ان کے پارسی اور ہندو دوستوں نے انھیں طیب علی کی بجائے طیب جی کہنا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ یہ نام ان کی پہچان بن گیا۔ ۲۱؎ طیب علی نے مستقل مزاجی، ذہانت اور کاروباری سوجھ بوجھ کے بل پر کچھ عرصے میں ''طیب جی اینڈ کمپنی'' کے نام سے ایک فرم قائم کرلی۔ ۱۸۲۵ء میں بھائی میاں کے مشورے پر انھوں نے فرم کا نام ''طیب جی اینڈ فیض حیدر'' رکھ دیا لیکن کاروباری حلقوں میں ان کی فرم ''طیب جی اینڈ کو'' کے نام سے ہی پہچانی جاتی رہی۔ ۲۲؎ طیب جی ایک دوراندیش اور روشن خیال انسان تھے انھوں نے سلیمانی بوہروں کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۸۸۰ء تک بمبئی میں سلیمانی بوہروں کی تعداد چند سو تک تھی جنھوں نے طیب جی کی سربراہی میں خوب ترقی کی اور سماجی اور علمی اعتبار سے ترقی یافتہ ہوگئے۔ ۲۳؎ انھوں نے سلیمانی فرقے کے حق میں ایک رسالہ ''گلبنِ ہدایت'' بھی تحریر کیا جس کی زبان گجراتی اور رسم الخط عربی ہے۔ ۲۴؎ طیب جی نے ''کتاب اخبار قبیلۂ طیّبی'' کی بنیاد بھی رکھی۔ جس میں خاندان کے تمام افراد اہم واقعات اور تاثرات وغیرہ لکھتے تھے۔ اس طرح انھوں نے خاندانی تاریخ مرتب کرنے کا منفرد انداز اختیار کیا۔ ۲۵؎ طیب جی نے اس کتاب میں اپنی خودنوشت سوانح کی ابتدا بھی کی۔ تاہم وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔

۲۶ اگر چہ طیب جی اپنی یہ خودنوشت سوانح مکمل نہ کر سکے لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی بے حد دلچسپ ہے۔طیب جی کی سوانح میں ہمیں انیسویں صدی کے وسط میں بمبئی کے تجارتی حلقوں میں رائج بولی کے بہت دلچسپ نمونے ملتے ہیں۔طیب جی کی تعلیم واجبی سی تھی اور انھوں نے اردو زبان با قاعدہ طور پر سیکھی بھی نہیں تھی۔اس کے باوجود انھوں نے عربی رسم الخط کو استعمال کرتے ہوئے اپنی سوانح تحریر کی ہے۔طیب جی کی مادری زبان گجراتی تھی اور ان کی تحریر میں بھی گجراتی کے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔اپنی سوانح میں وہ اگرچہ املا اور قواعد خصوصاً اوقاف وغیرہ کا خیال نہیں رکھ سکے لیکن درحقیقت یہی چیز ان کی تحریر کو دلچسپ بھی بناتی ہے۔ مثلاً اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''جب اس اقل العباد کی عمر آٹھ کی ہوئی کہ دادا صاحب مرحوم و مغفور تاریخ ۹ نوی ماہ جمادلا آخر ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۶۶ ہندی کے رحمتِ خدا میں مستغرق ہوئی، مرحوم کی زیارت (سوئم) میں فاتحہ کے کھانے میں مجھی (مجھے) خوب یاد ہے کہ بعد کھانے کے سو پاری عجب دستور کے بانٹنے کوں ضرور تھا۔اس لئے امّا صاحبہ حالتِ تشویش میں میری طرف توجہ فرما کے کھینی (کہنے) لگے سوائی تیرے گھر میں کوئی مرد کی ذات نہیں ہے اور تجھ میں اتنا کچھ ہوش ہے کہ بازار میں جا کر یک سیر بھر سپاری لا دیوے۔کلام سنتھی (سنتے ہی) جرعت (جرأت) کر کے مینی کھا (کہا) امّا صاحبہ دیکھو تو صحیح میں کیسے مزیدار سپاری لاتا ہوں۔تب امّا صاحبہ نے فی الفور رومال کے چھیرے (کونے) سے شماراً کچھ پئیشے (پیسے) باندھ کے بازار میں بھیجائی (یہ) بندہ بھی بسرعتِ تمام بازار میں یک شخص داود جی بھائی غلام حسین پیچھانکے (پہچان کے) تھے۔سو اوسکی دوکان پر جا کر اوسے کہا کہ مجھی سے یک سیر سپاری دلوادیجئی وہ مردِ مخلص اوسے وقت چلکی (چل کے) اچھے میں اچھی سپاری دلوادی سو بخوبی لیکر اپنی گھر کوں چلا آیا، امّا صاحبہ دیکھ کر بوہوت شکر گزار ہوئی اور شاباشے دے کر سرفراز کیا۔'' ۲۷

طیب جی اپنی سوانح میں اپنی کاروباری ترقی کا راز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب ہماری ترقی کا یک سبب بھی رقم کرتے ہیں۔یک روز شاید ۱۸۷۹ ہندی میں فرامجی ونو شیروان جی کامو الیکی وہاں سے پندرہ سو روپیہ کی پانچ پیتیاں بری بری فیل نما کھلونے کی باوا صاحب وھم خرید کر لے آئے۔اس میں دو صندوق کھولنے سے سارا دکان بھر گیا۔یک نصف کوں سنوار کے دکان پر کھلونوں کا تماشا لگا دیا۔اب کیا پوچھتے ہو۔کھلونے کی تو تمام بمبئی میں شہرۂ آفاق ہوگئی۔چاروں طرف سے تمام انگریز کے نوکران وچاکران و ماما یا ودائیاں بچونکوں ساتھ لے لے کے آوی سو خرید بھی کرے اور ان کے صاحبو اور بی بیوں کے وہاں بھی بلا لیجاوے اور Tyabjee Toys Merchant طیب جی تائیز مرچنٹ مشہور ہوگئی۔یعنی کھلونے کا بیوپاری لقب پڑ گیا۔'' ۲۸

طیب جی کی یہ سوانح دلچسپ تو ہے ہی لیکن اسے ایک اور اہم اعزاز یہ حاصل ہے کہ ڈاکٹر معین

الدین عقیل نے اردو کی اولین خودنوشت سوانح عمریوں کے ایک عالمانہ جائزے میں طیب جی کی خودنوشت سوانح کو اب تک دستیاب اردو کی اولین خودنوشت سوانح قرار دیا ہے اور اپنے وقت کی زبان واسلوب کے لحاظ سے اردو زبان وادب کی تاریخ میں شامل کیے جانے کا پوری طرح مستحق بھی قرار دیا ہے۔۲۹ طیب جی کی شادی ۱۸۲۰ء کے آس پاس اپنی جماعت کے مُلا مہر علی کی صاحبزادی امینہ بو سے ہوئی۔۳۰ اور وہ اپنی بیگم کو لے کر کھمبایت آ گئے۔طیب جی کی کل دس اولادیں ہوئی جن میں چھ۶ صاحبزادے اور چار۴ صاحبزادیاں تھیں۔۳۱ طیب جی اگرچہ باقاعدگی سے تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن وہ تعلیم کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور انھیں تعلیم سے محبت بھی تھی۔انھوں نے ابتدائی تعلیم کے زمانے میں گجراتی زبان سیکھی تھی اور اس کے بعد خود محنت کر کے اردو، انگریزی اور عربی میں شُد بُد حاصل کی تھی۔۳۲ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد کو بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع فراہم کیے۔طیب جی مذہب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔وہ بمبئی میں سلیمانی جماعت کے مُلّا کے منصب پر فائز تھے اور کچھ عرصے کے لیے بمبئی میں ''عامل'' بھی مقرر ہوئے۔ لیکن ان کی روشن خیالی اور دور اندیشی نے انھیں جدید تعلیم سے کبھی دور نہ ہونے دیا۔ایک ایسے وقت میں جب انگریزی تعلیم حاصل کرنا کفر والحاد سمجھا جاتا تھا، طیب جی وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنھوں نے اپنے تمام بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھیجا۔ان کے بیٹے قمر الدین ۱۸۵۱ء میں لندن گئے۔جہاں ۱۸۵۸ء میں سو لیسٹر کے لیے ان کا داخلہ ہوا اسی طرح بدر الدین ۱۸۶۰ء میں یورپ گئے اور ۱۸۶۸ء میں بار میں داخل ہوئے۔خود طیب جی بھی ۱۸۵۳ء میں یورپ گئے اور واپسی میں حج کی ادائیگی کے لیے مکہ اور مدینہ منورہ میں بھی قیام کیا۔۳۳ طیب جی نے انگریزی تعلیم کو ہمیشہ اہمیت دی لیکن ان کی اردو (جو اس وقت ہندوستانی بھی کہلاتی تھی) سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۹ء میں ایک خاندانی اجتماع میں انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ گھر کے تمام افراد اپنی مادری زبان گجراتی کی بجائے اردو میں بات چیت کیا کریں گے۔۳۴ طیب جی کی اسی اردو دوستی کے سبب ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی تحقیقی مقالے ''بمبئی میں اردو'' میں طیب جی خاندان کو بمبئی میں اردو کے سرپرست خاندانوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔۳۵ طیب جی نے غربت وافلاس کی انتہا سے زندگی کی ابتدا کی اور انتقال کے وقت ان کا شمار بمبئی کے خوشحال اور معزز ترین افراد میں ہوتا تھا۔طیب جی خاندان نے ہندوستان کا پہلا مسلمان بیرسٹر، سولیسٹر، انجینئر، ڈاکٹر، سول افسر، چیف جسٹس اور فنانس افسر پیدا کیا۔اس کے علاوہ ان کے خاندان کے دو افراد گورنر اور ایک سفیر کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ ۳۶

طیب جی کے بیٹوں میں سب سے زیادہ شہرت بدر الدین طیب جی (۱۸۴۴ء۔۱۹۰۶ء) کو حاصل

ہوئی۔ بدرالدین طیب جی ۱۸۹۵ء میں بمبئی ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور بعدازاں اسی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی بنے۔ ۳۷ بدرالدین طیب جی ''انجمنِ اسلام بمبئی'' کے بانیوں میں سے تھے۔ وہ سیاسی طور پر انڈین نیشنل کانگریس کے حامی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے خصوصی تعلیمی، دینی، ثقافتی اور سماجی کام انجمن اسلام جیسے اداروں کے ذریعے انجام پانے چاہئیں۔ ۳۹ بدرالدین طیب جی تعلیم اور خصوصاً تعلیمِ نسواں کے زبردست حامی تھے ۱۸۹۳ء میں انجمن اسلام کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا:

''ہم محسوس کرتے ہیں کہ مختلف سمتوں میں ہماری طرف سے کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب نئے کام شروع کرنے کی بجائے جو کچھ کام ہوا ہے اس میں استقلال پیدا کرنے کی ضرورت ہے، البتہ ایک پہلو ابھی ایسا ہے جس میں بہت کچھ کرنا باقی ہے اور وہ ہے تعلیمِ نسواں کا میدان جس میں ہم نے تقریباً کچھ بھی نہیں کیا ہے۔'' ۳۹

ستمبر ۱۸۹۵ء میں نواب محسن الملک کے مشورے سے بدرالدین طیب جی اور ان کے رفقاً نے بمبئی سے تین ہفتہ وار اخبار جاری کیے ان میں سے ایک اردو، ایک انگریزی اور ایک گجراتی زبان میں تھا۔ اردو ہفت روزے کا نام ''مراۃ الاخبار'' تھا اس کے مدیر خورشید حسن طپشؔ تھے اور یہ جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ یہ اخبار انگریزی تعلیم اور تعلیمِ نسواں کا زبردست حامی تھا لیکن مالی دشواریوں کے باعث یہ اخبار چل نہ سکا اور صرف سات مہینے جاری رہ کر بند ہوگیا۔ ۴۰ وہ ''اسلام کلب'' کے صدر بھی تھے جس کے قیام کا مقصد بمبئی میں موجود مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور میل جول بڑھانا تھا۔ یہ کلب ۱۸۸۸ء میں قائم کیا گیا اس کلب کے نائب صدر خان بہادر قاضی شہاب الدین تھے اور ارکان کی تعداد بہتر تھی۔ ۴۱

طیب جی کے سب سے بڑے بیٹے شجاع الدین طیب جی، جو عطیہ فیضی کے نانا تھے، اپنے والد کا کاروبار سنبھالتے تھے۔ جس کی شاخیں ہاروے، فرانس اور کراچی میں قائم تھیں۔ شجاع الدین طیب جی کا شمار کراچی کے اہم تاجروں میں کیا جاتا تھا۔ ۴۲ شجاع الدین طیب جی کی بیگم درۃ الولی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ ۴۳

ایک کامیاب تاجر اور اس کی روشن خیال و تعلیم یافتہ بیوی کی اکلوتی بیٹی امیر النساء، عطیہ بیگم کی والدہ تھیں۔ امیر النساء بیگم (۱۸۴۹ء۔۱۹۰۸ء) تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاتون تھیں وہ ایک اچھی شاعرہ اور مصنفہ بھی تھیں۔ امیر النساء بیگم نے اپنے خاندان کی منفرد تاریخ ''کتاب اخبار قبیلہ شجاع الدین طیبیؔ'' کو جاری رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ''کتاب اخبار قبیلہ شجاع الدین طیبیؔ'' کی جلد پنجم اُن کے مختلف اندراجات سے بھری ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس کتاب میں وہ اپنے خاندان کے تمام افراد کو کتاب میں کچھ نہ کچھ تحریر کرتے

رہنے کا پابند بنانے کے لیے مختلف قواعد وضوابط بھی تحریر کرتی ہیں۔اس سلسلے میں جلد پنجم کے پہلے صفحے پر وہ نئی جلد کے آغاز پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتی ہیں اور ساتھ ہی خبریں نہ لکھنے والوں کے لیے سزائیں بھی مقرر کرتی ہیں۔[۴۴]

''مورخہ پہلی جمادی الاول ۱۲۹۶ھ مطابق ۲۲ویں اپریل ۱۸۷۹ء یوم الثلوث؛

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

الحمد اللہ والمنتہ ،شکر خداتع کا کہ یہ پانچویں کتاب ہمارے قبیلے کی شروع ہوئی۔ خداتع اس کے اوراق کو اچھی اچھی اخباروں سے معمور کرنا نصیب کرے آمین ثمہ آمین۔اب سب صاحبان کی خدمت میں عرض یہہ (یہ) ہے کہ اس کتاب کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دائم مزیّن کریں اور ہر ہفتے کو بلا ناغہ ایک اخبار لکھیں۔حال حال میں یہ کارِخاص بہت سُست ہوگیا ہیں (ہے) اور سینکروں (سینکڑوں) خبریں بغیر لکھنے کے رہ جاتی ہیں واللہ کہ یہہ (یہ) حیف کی بات ہیں (ہے) اس کیلیے جاری ہفتے سے ایک قانون تازہ باندھا جاتا ہیں (ہے) کہ بروں (بڑوں) کو ایک روپیہ دند (ڈنڈ، جرمانہ) اور زہرا اور اصغر[۴۵] کو چار آنے اور پانچ اٹھ بیٹھ (اٹھ بیٹھ)۔امید کہ خود کے تیئں ایسے الزام سے بچانے کی سب کوشش کریں گے۔انشااللہ تع۔

امیر النساء''

امیر النساء بیگم ایک اچھی شاعرہ بھی تھیں ان کے اشعار وقطعات ان کے خطوط اور ''اخبار قبیلہ طیبیؔ'' میں جابہ جا ملتے ہیں۔ایک فارسی قطعہ جو امیر النساء بیگم نے اپنے چچازاد بھائی عباس طیب جی کی جواں سال بیوی اشرف النساء کی وفات پر تحریر کیا تھا، بہت اثر انگیز ہے۔

بار ایں آفت جانکاہ چرا بر سرما شد   آں غم و رنج و الم آہ و فغاں شد (کذا)
ضبط از دست شد و صبر و شکیبائی رفت   جانِ ما سوخت و خاکسترش ہمراہ ہوا شد (کذا)
خواہرم اشرف خوش ذات ازیں دنیا رفت   لذتِ زیست نماند و چکنم زیبا رفت [۴۶]

ان کی منظوم دعاؤں کا مجموعہ ''آمین'' کے عنوان سے زہرا بیگم نے مرتب کر کے شائع کروایا۔آمین کی اشاعت پر ماہ نامہ ''زمانہ''، کانپور میں ایک تبصرہ ''ریویو کتب'' کے ذیل میں شائع ہوا۔یہ تبصرہ بہت دل چسپ بھی ہے اور ''آمین'' کی عدم دست یابی کے سبب اہمیت کا حامل بھی چنانچہ اسے من وعن ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

''یہ ایک چھوٹی تقطیع کی خوبصورت کتاب ہے۔ جو خاتون موصوف (امیر النساء) ہی کی تصنیف ہے اور جسے ان کی صاحبزادی زہرا بیگم فیضی صاحبہ نے ترتیب دیا ہے۔اس کتاب میں دو نہایت دلکش نظمیں ''آمین'' کے عنوان سے درج ہیں جن کے متعلق جنابہ زہرا صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ:

’’یہ نظم بیاہ کے دوسرے روز (جب کہ) فرقہ سلیمانی میں دولھا کی طرف سے حسبِ حوصلہ دعوت دی جاتی ہے اس وقت زنانخانہ میں دعوتی بیبیاں جمع ہوتی ہیں ان کے درمیان زرّیں مسند پر ہوہفت آرائش سے مزّین دلہن کو مسند نشین کرتے ہیں، بعد ہم آواز دلہن کی ہم عمر لڑکیاں یہ آمین دلہن کی تعریف و مدح و ثناء گاتی ہیں کہ جس میں آمین کے لفظ کو اکثر حاضرین شریک ہو کر دہراتے ہیں۔ اس کے ختم پر دلہن کو اعزاء رونمائی دیتے ہیں اور خشک میوے اور چاندی سونے کے بادلے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ بعد تمام دعوتیوں کو شربت پلایا جاتا ہے۔ پھولوں کے ہار تقسیم ہوتے ہیں اور دو بڑے بتاشہ بھی حصے میں دیئے جاتے ہیں۔‘‘

ذیل میں آمین کے بعض اشعار درج کیے جاتے ہیں۔ جن سے مصنفہ مرحومہ کی شاعرانہ قابلیت پر روشنی پڑے گی۔ اس کتاب کی قیمت فی جلد ۳ روپے ہے۔

کہوں توحیدِ ربانی کروں توصیفِ یزدانی
(از آمین اول) وہ ہے معبودِ سبحانی بحق انبیاء آمین

....

دلہن معمور ہے دیکھو بنی وہ حور ہے دیکھو
عجب پُرنور ہے دیکھو بحقِ مرتضےٰ آمین

....

ملی بلبل کو آزادی ہے نغمے کی صدا آمین مبارک خانہ آبادی عروس گل کی ہے شادی
ہوئے شمس و قمر یکجا پڑھے نور و ضیا آمین ہے دلہا مہر سے اچھا دلہن ہے چاند کا ٹکڑا

ایک خاتون کی یہ شاعری ہر طرح قابلِ فخر ہے۔ آپ کا دیوان بھی پریس میں جا چکا ہے۔ جو غزلیات وقصائد کا مجموعہ ہے۔ ہر سہ مندرجہ بالا کتابیں۔ جنابہ زہرا بیگم فیضی صاحبہ جیراج باغ وارڈن روڈ بمبئی سے طلب کی جائیں۔‘‘ ۴۷

اس تبصرے میں ’’آمین‘‘ کی اشاعت کی تاریخ درج نہیں ہے۔ تاہم اخبار قبیلہ شجاع الدین طیّبی جلد دہم میں عطیہ بیگم کے ہاتھ سے تحریر کردہ دوسطری اندراج سے تاریخِ اشاعت کا پتہ چلتا ہے۔

’’جنوری ۱۹۱۴ء:

اماں جان والی آمین = اماں خلد مکاں نے نہایت خوبصورت آمین لکھی تھی۔ اس کو ہمشیرہ (زہرہ بیگم) نے چھپوائی۔ چھوٹی سی کتاب کے پیرائے میں۔ اور وہ ۹ویں جنوری کو ڈھائی سو جلدیں تیار ہو کے آئیں‘‘ ۴۸

امیر النساء بیگم کی دوسری تصنیف ’’نادر بیان‘‘ ہے اگرچہ ’’نادر بیان‘‘ ایک انگریزی ناول سے ماخوذ

ہے۔تاہم یہ مکمل ترجمہ نہیں ہے۔اس کے دیباچہ میں امیر النساء بیگم فرماتی ہیں۔

''اس کمترین بندہ اللہ نے ایک قصہ دل پذیر برائے عبرت ناظرین ونزہتِ شائقین لکھا ہے۔اس اُمید سے کہ اس کے پڑھنے سے حظ ملے اور دو گھڑی طبیعت بہلے۔لیکن اگر کوئی خطا یا قصور یا بے ڈھنگا مضمون وعبارت ہو تو التجا ہے کہ نظرِ رحمت سے عفو فرمائیں، مجھے اس قدر اور عرض کرنا ضروری ہے کہ میں اہلِ زبان نہیں ہوں۔اس کی زبان میرے ملک (بمبئی) کی زبان ہے۔اس لئے محاورات اور روزمرّ وں میں غلطی کا احتمال نہیں بلکہ یقین کرنا چاہئے۔یہ فسانہ عشقِ حقیقی وگناہِ کبیرہ کے بیان میں ہے۔اس لئے اس کا نام فسانۂ عشقِ حقیقی وپشیمانی عصیان رکھا ہے۔'' ۴۹

''نادر بیان'' ۴۳۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم ناول ہے۔تاہم اس کی تاریخ اشاعت یا تاریخِ تصنیف معلوم نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی نسخہ فی الوقت دستیاب ہے۔تاہم عطیہ بیگم کے اُن نوادرات میں، جو انھوں نے بلدیہ کراچی کو فیضی رحمین آرٹ گیلری کے لیے عطیہ کیے تھے، زہرا بیگم کا ایک مکتوب ملتا ہے۔جو انھوں نے نازلی بیگم اور دیگر کے نام اُس وقت تحریر کیا تھا جب نازلی بیگم سیرِ یورپ کے سلسلے میں ہندوستان سے باہر تھیں۔یہ مکتوب فیضی خاندان کی روایات کے مطابق روز نامچے کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے اور اس میں تاریخ وار روزمرہ کی مصروفیات اور معمولات کی تفصیل درج ہے۔اس مکتوب میں ۵/اگست ۱۹۰۸ء کی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے زہرا بیگم نے آبرو بیگم ہمشیرہ مولانا ابوالکلام آزاد کی اپنے گھر آمد اور تحائف کے تبادلے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آبرو بیگم نے انھیں مثنوی مولانا روم کا ایک خوبصورت اور قیمتی نسخہ پیش کیا اور جواباً انھوں نے آبرو بیگم کو اپنی والدہ کا ناول ''نادر بیان'' تحفتاً پیش کیا اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''نادر بیان'' ۵/اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے شائع ہو گیا تھا۔۵۰ امیر النساء بیگم کا ادبی ذوق ان کی بیٹیوں خصوصاً زہرا بیگم میں بھی منتقل ہوا اور زہرا بیگم نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ پوری زندگی جاری رکھا۔امیر النساء بیگم کی تربیت ہی کے زیرِ اثر نازلی رفیعہ بیگم نے اپنی شادی کے بعد اپنے خاندان کے احوال لکھنے کے لیے روزنامچہ ''اخبار نامۂ احمدی'' جاری کیا جس کی دو جلدیں عطیہ بیگم کی جانب سے بلدیہ کراچی کے حوالے کیے گئے ذخیرۂ نوادرات میں موجود ہیں۔۵۱

امیر النساء بیگم کی شادی حسن علی بن فیض حیدر سے ہوئی۔حسن علی کے والد فیض حیدر بھائی میاں کے بیٹے اور طیب جی کے چھوٹے بھائی تھے۔اس نسبت سے وہ شجاع الدین طیب جی کے چچا اور ان کے بیٹے حسن علی، شجاع الدین طیب جی کے چچا زاد بھائی ہوئے۔۵۲ جس طرح طیب علی کی اولاد نے اپنے ناموں کے ساتھ ''طیبی'' یا ''طیب جی'' کا اضافہ کیا اسی طرح فیض حیدر کی نسبت سے ان کی اولاد نے اپنے نام میں

''فیضی'' کا اضافہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اخبار کی دسویں بارھویں اور تیرھویں جلدوں کے سرورق پر ''سلسلۂ اخبارِ قبیلۂ فیضی، طیّبی'' کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ حسن علی فیضی (۱۸۲۷ء - ۱۹۰۳ء) [۵۳] تجارت سے وابستہ تھے اور ان کی فرم ''فیض حیدر اینڈ کمپنی'' کا دفتر استنبول ترکی میں قائم تھا۔ حسن علی فیضی نے امیر النساء بیگم سے شادی کرنے کے بعد ترکی میں بھی دو شادیاں کیں، یہ دونوں خواتین تُرک تھیں۔ ان شادیوں کا ایک سبب امیر النساء بیگم کا ترکی میں مسلسل قیام سے انکار تھا۔ [۵۴] وہ سلطان عبدالعزیز اور سلطان عبدالحمید کے مشیر کے منصب پر فائز تھے اور ترک دربار میں انھیں حسن آفندی فیضی ہندلی، کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ سلطان کے لیے آرٹ کے نمونے اور دیگر اشیاء خریدنے کی غرض سے دور دراز کے سفر کرتے رہتے تھے۔ ان ممالک میں چین، جاپان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ اور سائبیریا جیسے دور دراز علاقے شامل تھے۔ ان کا کام دنیا بھر سے آرٹ کے اعلیٰ نمونے، کشیدہ کاری کے منتخب فن پارے اور دیگر اشیاء خرید کر سلطانِ ترکی کی خدمت میں پہنچانا تھا۔ وہ اُنیس (۱۹) زبانیں جانتے تھے۔ [۵۵] انھیں سلطانِ ترکی نے ''نشانِ امتیاز'' سے بھی نوازا تھا۔ فیضی خاندان کے روزنامچوں میں حسن علی فیضی کے بارے میں بہت کم معلومات درج ہیں۔ جس کا ایک سبب ان کا وطن سے غیر حاضر رہنا بھی ہوسکتا ہے۔ نازلی بیگم نے کتاب اخبار نامۂ احمدی میں ان کے انتقال کی خبر درج کی ہے جس کے مطابق انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۶ برس تھی۔ [۵۶] امیر النساء بیگم نے اخبار نامۂ فیضی میں ان کی ہندوستان آمد اور روانگی کی اطلاعات پر مشتمل کچھ اندراجات کیے ہیں اور بعض اندراجات ان کی بیماری سے متعلق بھی ہیں۔ ایک اندراج کے مطابق حسن علی فیضی کو ۱۸۸۴ء میں بینک آف بمبئی میں ڈپٹی صراف کا منصب مِلا تھا۔ جس کا مشاہرہ ساڑھے تین سو روپے مقرر کیا گیا تھا۔ [۵۷] امیر النساء بیگم نے اپنے اندراجات میں حسن علی فیضی کے لیے ''جناب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حسن علی فیضی نے اپنی زندگی کا آخری حصہ ہندوستان میں گزارا اور ۱۲؍ جون ۱۹۰۳ء کو انتقال کے وقت وہ اپنے خاندان کے ساتھ بمبئی کی رہائش گاہ میں ہی مقیم تھے۔ [۵۸] ان کے انتقال کے ساڑھے پانچ سال بعد، دسمبر ۱۹۰۸ء میں امیر النساء بیگم کا انتقال ہوا۔ امیر النساء بیگم کے انتقال پر علامہ شبلی نعمانی نے ایک مرثیہ تحریر کیا اور زہرا بیگم کے نام اپنے ایک مکتوب میں روانہ کیا [۵۹] اس مرثیے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

بود بست و ششم و سیزدہ صد از ہجرت — کہ بہ نقشِ دگر بخت ستم گارۂ ما
مہرباں مادرِ ما، سایہ زما، باز گرفت — آں ہمایوں نفس، آں مونس و غمخوارۂ ما
بہر ما، مرگ نخستین بودہ است (کذا) — چوں روا داشتی این مرگِ دگر بارۂ ما
شبلی ایں مرثیہ گفتم ز زبانِ زہرا — آن کہ صد لطف عیاں داشتہ دربارۂ ما [۶۰]

حسن علی فیضی اور امیر النساء بیگم کی تین بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ بیٹیوں میں زہرا بیگم، نازلی بیگم اور عطیہ بیگم تینوں نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے شہرت حاصل کی۔ لیکن چاروں بیٹے یعنی علی اکبر، علی اصغر، علی اطہر اور علی از ہرا ردو زبان کی طرف راغب نہ ہوئے۔

زہرا بیگم فیضی (۱۸۶۶ء۔۱۹۴۰ء)[۶۱] تینوں بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ اردو فارسی، ترکی اور انگریزی زبانیں جانتی تھیں۔ زہرا بیگم ''تہذیبِ نسواں''، ''خاتون'' اور ''عصمت'' کی اولین مضمون نگار خواتین میں شامل تھیں اور اسی حوالے سے اردو داں حلقے میں مقبول و معروف بھی تھیں۔ اردو کے ادبی حلقوں میں زہرا بیگم ان خطوط کے حوالے سے بھی معروف ہوئیں جو علامہ شبلی نعمانی نے ان کے نام تحریر کیے ان خطوط کی تعداد پینتالیس ہے۔

زہرا بیگم کی شادی قمر الدین طیب جی کے بیٹے غلام حیدر کے ساتھ فروری ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ لیکن جلد ہی شوہر انھیں داغِ مفارقت دے گئے۔ اس کے بعد زہرا بیگم نے اپنے آپ کو علمی مشاغل میں مصروف کر لیا اور تمام عمر شادی نہ کی۔ زہرا بیگم نے تعلیمِ نسواں پر اپنی پوری توجہ مرکوز کی۔ ۲۸؍دسمبر ۱۹۰۵ء کو علی گڑھ میں لیڈیز کانفرنس کی صدارت کے لیے شیخ عبداللہ کی نگاہ ان پر ٹھہری اور زہرا بیگم بمبئی سے علی گڑھ پہنچیں اور صدراتی تقریر کرتے ہوئے حاضرینِ جلسہ سے کہا:

> ''ہمیں اُس مبارک وقت کا سخت اشتیاق کے ساتھ انتظار ہے جس میں افتتاح زنانہ نارمل اسکول کی خبر اس مژدہ کے ساتھ سنیں کہ ہماری معزز، شریف، روشن خیال بہنیں اپنی صاحب زادیوں کو علم سیکھنے اور سکھانے کی غرض سے بلا تکلف اس مدرسہ میں بھیج رہی ہیں۔'' [۶۲]

زہرا بیگم نے خواتین کو فضول رسوم و رواج سے چھٹکارا حاصل کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کی جانب راغب کرنے کے لیے تقاریر کیں، مضامین لکھے اور ہر طرح سے کوششیں کیں۔ علی گڑھ میں زنانہ نارمل اسکول کے قیام کے لیے ان کی مخلصانہ کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے شیخ عبداللہ لکھتے ہیں۔

> ''جب سے یہ مدرسہ جاری ہوا ہے۔ ان دونوں معزز بہنوں نے جہاں تک ان کے امکان میں تھا۔ اس مدرسے کو اپنا سمجھا اور اس کی امداد میں کماحقہ اپنی ہمت و کوشش صرف کی۔ اس مدرسہ پر کچھ انحصار نہیں ہے۔ ان کی ہمدردی اس قدر وسیع ہے کہ کہیں بھی کوئی قومی کام ہو وہ اس کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ ہمیشہ کانفرنس کے موقعے پر مس زہرا فیضی صاحبہ کہیں نہ کہیں سے کچھ رقم وصول کر کے نارمل اسکول کے لیے بھیجا کرتی تھیں۔'' [۶۳]

زہرا بیگم نے خواتین کی اصلاح اور تعلیمِ نسواں کے لیے مسلسل جد و جہد کی اور ''عصمت''، ''خاتون''، ''تہذیبِ نسواں'' اور ''ظلِ السلطان'' میں تواتر سے لکھتی رہیں۔ وہ صحت و صفائی سے متعلق اس

دور کی خواتین کو اسی طرح مشورے دیتی نظر آتی ہیں۔ جس طرح موجودہ زمانے کا کوئی ڈاکٹر۔ صحت سے متعلق ان کے مضامین کا ایک سلسلہ ''عصمت'' میں ۱۹۳۷ء میں کئی اقساط میں شائع ہوا۔۶۴

۱۹۰۹ء میں جب لکھنؤ سے ''الناظر'' کا اجرا ہوا تو زہرا بیگم نے مدیر کو تجویز دی کہ اس پرچے کا ایک حصہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے مخصوص کیا جائے اور ساتھ ہی نمونے کے لیے کچھ حصے اور ان کی تفصیلات بھی تحریر کر دی ہیں۔ ۶۵ زہرا بیگم نے دیگر کارکن خواتین کی تعریف میں بھی کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ بیگم شاہنواز کی جانب سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی انھوں نے زبردست تعریف کی اور ایک مضمون لکھا جو تہذیبِ نسواں میں شائع ہوا۔ ۶۶ زہرا بیگم کے مدیرۂ تہذیبِ نسواں، محمدی بیگم سے قریبی تعلقات تھے۔ انھوں نے محمدی بیگم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مضامین میں روشنی ڈالی ہے۔ ۶۷ زہرا بیگم نے ''تہذیب'' کے ذریعے بہت سے معاشرتی اور سماجی مسائل پر بھی قلم اُٹھایا۔

مولوی ممتاز علی کے انتقال پر ''انجمن خواتین بمبئی'' کے تحت ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ جس کی روداد ''تہذیبِ نسواں'' میں شائع ہوئی۔ اس جلسے میں زہرا بیگم فیضی نے ''ممتازِ زمانہ'' کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا۔ جس میں اس خاندان سے اپنے دیرینہ تعلقات اور ''تہذیبِ نسواں'' اور محمدی بیگم کی خدمات کا ذکر ہے۔ یہ مضمون ''تہذیبِ نسواں'' ۶/ جولائی ۱۹۳۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ۶۸ زہرا بیگم نے ایک ڈرامہ ''مآل خاتون'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔ یہ ڈرامہ اصلاحی نقطۂ نظر سے لکھا گیا تھا۔ اور اب نایاب ہے۔ ۶۹ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ بھی ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنے مقالے میں کیا ہے۔ ۷۰ زہرا بیگم کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں علامہ شبلی نعمانی کی رہنمائی میسر تھی۔ جو زہرا بیگم کی حوصلہ افزائی میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ اپنے ایک مکتوب میں وہ زہرا بیگم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

> ''آپ کو رہنمائی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اور عطیہ جیسی اردو لکھ لیتی ہیں۔ کاش ہمارے صوبے بھر میں کوئی خاتون لکھ سکتی''۔ ۷۱

علامہ شبلی زہرا بیگم کی زبان کی اصلاح بھی کرتے تھے مثلاً ۲۷/ جون ۱۹۰۸ء کے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:

> ''آپ اکثر محاورہ لکھا کرتی ہیں ''اپنا ہاتھ بتاتی ہے'' لیکن یہ محض غلط محاورہ ہے۔ نہ لکھا کیجیے۔'' ۷۲

علامہ نے زہرا بیگم کو ایک رسالہ یا اخبار، خواتین کے لیے جاری کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ ۲۰/ جولائی ۱۹۰۸ء کے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:

> ''آج یہ خیال آیا کہ اگر خاص آپ لوگ بمبئی سے ایک زنانہ اخبار یا رسالہ نکالیں تو بہت مفید ہو۔ میں بھی اس میں مضامین وغیرہ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' ۷۳

علامہ نے زہرا بیگم کو ''ظلِ السلطان'' کی معاونت کرنے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ اپنے ۱۷/دسمبر ۱۹۱۳ء کے مکتوب میں انھوں نے لکھا:

''اس وقت یہ خط اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ ظلّ السلطان ایک ایسا پرچہ ہے جس کو محاسنِ ذاتی کے علاوہ مجھ سے خاص تعلق ہے اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو ہر قسم کی مدد دیں یعنی قلم سے بھی اور توسیعِ اشاعت سے بھی۔'' ۴؎

۱۹-۱۹۱۸ء میں زہرا بیگم نے عطیہ، رحمین اور نازلی بیگم کے ہمراہ چین، جاپان اور امریکہ کی سیاحت کی اس دوران پیش آنے والے واقعات اور مختلف مقامات کی تفصیلات انھوں نے نہایت تفصیل سے کتاب اخبار قبیلۂ طیّبی کی بارھویں جلد میں تحریر کی ہیں۔ اس جلد کا آغاز ۱۱/ جولائی ۱۹۱۹ء کو بحری جہاز ایس۔ ایس۔ شنیو مارو پر ہوا ہے جب وہ جاپان کی جانب سفر کر رہی تھیں۔ اس جلد کی ایک خاص بات یہ ہے کہ دیگر جلدوں کے برخلاف اس کے تمام تر اندراجات صرف زہرا بیگم کے ہی لکھے ہوئے ہیں اور اس جلد میں خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ ۵؎

زہرا بیگم نے اپنی والدہ کی کتابوں کو ترتیب دینے کے علاوہ نازلی بیگم کے خطوط پر مشتمل اردو میں خواتین کا اوّلین سفر نامہ ''سیرِ یورپ'' بھی مرتّب کیا جو نازلی بیگم کے ۱۹۰۸ء میں سفرِ یورپ کے حالات و واقعات پر مشتمل ایک نہایت دل چسپ سفر نامہ ہے۔ ۶؎

زہرا بیگم کے انتقال پر مدیر ''عصمت'' جناب رازق الخیری نے اپنے تعزیتی نوٹ میں لکھا:

محترمہ زہرا بیگم فیضی ان چند خواتین میں سے تھیں جن کی قابلیت اور شخصیت مسلمانوں کے طبقۂ نسواں کے لیے باعثِ فخر تھی............ان کے انتقال سے ان کے خاندان ہی کو نہیں عصمت کو بلکہ ہندوستان کے تمام طبقۂ نسواں کو شدید نقصان پہنچا ہے۔'' ۷؎

امیر النساء بیگم کی دوسری صاحبزادی نازلی رفیعہ سلطان (۱۸۷۴ء۔۱۹۶۸ء) ۸؎ بھی ایک باکمال خاتون تھیں۔ اردو ادب میں نازلی بیگم کا شمار اوّلین خاتون سفر نامہ نگار کی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔

نازلی بیگم کی شادی ۹/دسمبر ۱۸۸۶ء کو نواب صاحب جنجیرہ سر سدّی احمد خان (۱۸۶۲ء۔۱۹۲۲ء) سے ہوئی۔ یہ نواب صاحب کی دوسری شادی تھی جو انھوں نے پہلی بیوی احمدی بیگم کے ۱۸۸۵ء میں انتقال کر جانے کے بعد کی۔ ۹؎

جنجیرہ، بمبئی سے ایک سو پینسٹھ کلومیٹر جنوب میں بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ایک چھوٹی سی خود مختار مسلم ریاست تھی جس کا رقبہ تین سو چوبیس مربع میل تھا۔ ۱۰؎ جنجیرہ دراصل جزیرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

ابتدا میں اسے جزیرہ حبشان کہا جاتا تھا اور اس کے حبشی باشندوں اور حکمرانوں کو شیدی۔ بعد میں شیدی بگڑ کر سِدّی ہوگیا۔ اس ریاست کی تاریخ تین سو ستائیس سالوں پر مشتمل ہے اور یہاں چوبیس حبشی (سدی) سرداروں نے حکمرانی کی۔۸۱ حبشی لوگ غلاموں کی حیثیت سے افریقی ممالک سے لائے جاتے تھے مگر اپنی محنت، جفاکشی اور وفاداری کے سبب اعتبار حاصل کر لیتے تھے اور نظام شاہی کے عہد میں انھیں تھانیدار، منصب دار اور جاگیردار مقرر کیا جانے لگا۔۸۲ ریاست جنجیرہ کی بنیاد بھی نظام شاہی عہد میں پڑی اور سدی عنبر حبشی کو اس علاقے کی جاگیر اور نشان ۱۶۲۱ء میں سونپا گیا۔۸۳ سدی سرداروں نے نواب کا خطاب اورنگزیب عالمگیر سے پایا تھا۸۴ اور آخر تک وہ اسی خطاب کو اپنے نام کے ساتھ لکھتے رہے۔ سِدی احمد خان کے والد نواب سدی ابراہیم کا انتقال ۱۸۷۹ء میں ہوا اور جانشینی کے اختلاف سے فراغت پر ۱۱ر اکتوبر ۱۸۸۳ء کو سِدی احمد خان کو ریاست کے مکمل اختیارات حاصل ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں انھیں کے۔سی۔ای کا خطاب عطا کیا گیا۔۸۵

نواب سر سِدی احمد خان نے خود بھی جدید تعلیم پائی اور اپنی ریاست میں بھی تعلیم کو عام کیا۔ نازلی بیگم سے شادی ہوجانے کے بعد نازلی بیگم نے بھی ان کوششوں میں ان کا ساتھ دیا۔ نازلی بیگم نے ۱۹۰۸ء میں یورپ کے سفر سے واپسی پر لڑکیوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا۔ اس اسکول کے نصاب میں قرآن شریف اور نماز کی تعلیم کے علاوہ اردو لکھنا اور پڑھنا، حساب، مراٹھی، سلائی اور دیگر گھریلو مہارتیں شامل تھیں۔۸۶

اردو زبان و ادب کے حوالے سے نازلی بیگم کا سب سے اہم کام 'سیرِ یورپ' ۸۷ ہے۔ تین سو آٹھ صفحات پر مشتمل یہ سفرنامہ خواتین کے لکھے ہوئے اردو کے اوّلین سفرناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس میں ۲۴ تصویریں بھی شامل ہیں اور اس کا انتساب انھوں نے اپنی والدہ محترمہ امیر النساء بیگم کے نام کیا ہے۔ یہ سفرنامہ انھوں نے ۲۵ر اپریل ۱۹۰۸ء سے ۷ر اکتوبر ۱۹۰۸ء کے دوران یورپ کے مختلف ممالک کی سیر کے دوران تحریر کیا۔ اس سفر میں نواب صاحب جنجیرہ کے علاوہ عطیہ بیگم اور بھائی علی اصغر بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ سفرنامہ دراصل ان خطوط پر مشتمل ہے جو نازلی بیگم نے دورانِ سفر زہرا بیگم کے نام تحریر کیے اور بعد میں زہرا بیگم نے انھیں جمع کر کے سفرنامہ کی صورت میں مرتب کیا۔ نازلی بیگم کے دل میں قومی ہمدردی اور تعلیمِ نسواں کے فروغ کا جذبہ شدّت سے موجزن تھا اور اس کا اظہار سیر یورپ کے دیباچے کی مندرجہ ذیل سطور سے ہوتا ہے۔

> ''اصل میں یہ خطوط ہیں جو میں نے اپنے بزرگوں کے نام سیرِ یورپ کے حالات کے لکھے ہیں۔ اس میں نہ عبارت آرائی ہے نہ قافیہ پیمائی۔ صاف سیدھی عبارت ہے، وہاں کے حالات، طرزِ معاشرت، تدبیر المنازل، بعض امورِ سیاسیہ، تجارت، ہنروری، اقسامِ فنون کی کثرت، تہذیب،

طریقۂ تعلیم، دربار کے آداب۔ جو میں جتنا سمجھ سکی اپنی زبان میں اپنے اہلِ وطن کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

نسبتاً جب یورپ اور ایشیاء کو دیکھتی ہوں تو آپ اپنی نظر میں تھوڑی تھوڑی ہو جاتی ہوں۔ افسوس ہے کہ اب ایشیاء ویسی ہوگئی [ویسا ہوگیا] ہے جیسے ہزار بارہ سو سال پہلے یورپ تھا۔ **تعز من تشآو تذل من تشاء** ۔ اس زمانے والوں کے دلوں میں تو حسرت ہی رہ جائے گی کہ ایشیاء یورپ سے بڑھے نہیں تو برابر ہو جائے۔ لیکن ہاں! اگر ایشیاء والے تعلیمِ نسواں کا انتظام کر سکیں تو سو دو سو برس میں سنبھل جائیں۔ کیا حسرت ہوتی ہے جب مسلمانوں کی سیلِ عظیم کی طرح پھیلنے والی ترقی اور طوفان نوح کی طرح عالمگیر، عالمگیری کو اپنے وقت کے اسلام کے تنزل اور بدحالی سے مقابلہ کرتی ہوں۔''۸۸

نازلی بیگم نے اس سفرنامے میں اہلِ یورپ کے طرزِ معاشرت، ہنرمندی اور تعمیرات وغیرہ کا بہت تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ وہ یورپ کی ترقی کا راز تعلیم اور خصوصاً تعلیمِ نسواں میں دیکھتی تھیں۔ چنانچہ وطن واپسی پر انھوں نے خواتین کا ایک اجلاس منعقد کیا اور خواتین کی تعلیم کو خاندان کی ترقی اور اصلاح کی بنیاد بتایا۔ ۸۹ عطیہ بیگم نے اس اسکول کے لیے علامہ اقبال سے ایک استانی فراہم کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔ جس کا جواب دیتے ہوئے ۱۷ را پریل ۱۹۰۹ء کو علامہ نے لکھا تھا۔

''جہاں تک استانی کا تعلق ہے۔ مجھے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے مدرسۂ نسواں کی نگراں کے توسط سے ایک درخواست موصول ہوئی ہے۔ میں ان خاتون سے خط و کتابت کروں گا اور جلد ہی آپ کو نتیجے سے آگاہ کروں گا۔ لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ آیا انھیں ایک پبلک اسکول میں پڑھانا ہوگا۔ نیز یہ کہ جنجیرہ یا بمبئی میں؟ ۹۰

یورپ کے سفر کے دوران ترکی میں نازلی بیگم اور عطیہ بیگم کو سلطان عبدالحمید کی جانب سے نشانِ شفقت سے نوازا گیا۔ ۹۱

نازلی بیگم نے بھی خاندانی روایات کے مطابق اور اپنی والدہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سلسلۂ اخبار (روزنامچہ) جاری کیا اور اس کا نام ''اخبار نامہ احمد گنج، مروڈ جزیرہ'' رکھا۔ اس کی پہلی جلد مئی ۱۸۹۶ء سے اگست ۱۸۹۸ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے جب کہ دوسری جلد اگست ۱۸۹۸ء سے مئی ۱۹۰۴ء تک کی خبروں پر مشتمل ہے۔ ۹۲ ان دونوں جلدوں کے آغاز پر جلی حروف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خوش خط تحریر کیا گیا ہے جو نازلی بیگم نے اپنے نانا شجاع الدین طیب جی سے لکھوایا ہے اور جلد اوّل کے صفحہ دوم پر اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ نازلی بیگم نے ایک خوبصورت آٹوگراف بک بھی بنا رکھی تھی جس میں مشاہیر کے آٹوگراف موجود ہیں۔

اس آٹو گراف بک میں علامہ شبلی نعمانی نے اپنے ہاتھ سے نظم ''در شانِ جزیرہ'' ۵/اکتوبر ۱۹۰۹ءکو تحریر کی اس نظم کا آخری مصرعہ ''عطیہ! تم کو یادِ لکھنؤ ہوگی تو کیوں ہوگی'' بہت مشہور ہوا۔۹۳ اس کے علاوہ آٹو گراف بک میں مولانا ماہر القادری کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک غزل ۹۴ اور حفیظ جالندھری کی ایک غزل بھی شامل ہے جو انھوں نے ۲۴/مارچ ۱۹۳۸ءکو لندن میں تحریر کی تھی۔۹۵

نازلی بیگم اور نواب صاحب جنجیرہ کی ازواجی زندگی میں اختلاف ۱۹۱۳ء میں نواب صاحب کی تیسری شادی کے ارادے سے پیدا ہوئے۔اس دوران بڑودہ کے حکمران گائیکواڑ خاندان کے نواب صاحبان اوران کی بیگمات نے صلح کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔۹۶ اور بالآخر اپریل ۱۹۱۵ء میں یہ طے ہوا کہ نازلی بیگم نواب صاحب سے الگ رہیں گی۔۹۷ نواب صاحب جنجیرہ نے بعد میں نازلی بیگم کو منانے اور جنجیرہ لے جانے کی کوشش کی لیکن نازلی بیگم نے دوبارہ ریاست جنجیرہ جا کر ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔ نواب صاحب کی تیسری شادی کلثوم بیگم سے ہوئی۔جن کے بطن سے نواب سِدی محمد خان پیدا ہوئے۔نواب سدی محمد خان جنجیرہ کے آخری حکمران تھے۔۱۹۴۸ء میں جنجیرہ کو بھارت میں ضم کر دیا گیا۔۹۸

نواب صاحب اور نازلی بیگم کے اختلافات نے جہاں نازلی بیگم کی ازدواجی زندگی کو نقصان پہنچایا وہیں ان کے اختلافات سے بعض نئے مسائل پیدا ہوئے اور نازلی بیگم، زہرا بیگم اور عطیہ فیضی ایک طرف ہوگئیں اوران کے بھائی ایک طرف،نازلی بیگم نے ایک طویل اندراج اس حوالے سے جلد دہم میں کیا ہے۔

> ''......اگر ہمارے بھائی ہم کو اس عزت اور Courtesy سے پیش نہیں آتے ہیں۔جس کے ہم مستحق ہیں اور خدا کی مہربانی سے دنیا ہم کو دیتی ہے۔تو بہتر ہے کہ ہم دور رہیں.........میرے دل پر اس کا نہایت سخت رنج اور صدمہ ہے کہ نواب صاحب نے مجھ سے اس قدر بے اعتنائی کی مگر میرے دو۲ بھائیوں نے بدستور ان سے ملنا جلنا قائم رکھا۔میرے اس مصیبت کے وقت میں میری دلی اور سچی ہمدردی میری دو بہنیں رہیں اور رحمین رہے۔باقی کُل خاندان کی بے غیرتی کا ایسا نقش میرے دل پر جما ہے کہ عمر بھر نہ بھولوں گی۔'' ۹۹

غالباً یہیں سے بہنوں اور بھائیوں میں دُوری بڑھتی چلی گئی اور اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں جب عطیہ بیگم اور نازلی بیگم کراچی میں کسمپرُسی اور دربدری کی حالت میں تھیں ان کی مدد کو ان کے خاندان کے افراد، جو ہندوستان میں خاصے بااثر تھے، نہ آئے۔نازلی بیگم آخری ایاّم میں شدید بیمار رہیں اور جب ۱۹۶۷ء میں عطیہ بیگم کا انتقال ہوگیا تو وہ بستر سے لگ گئیں۔ان کی دیکھ بھال کیپٹن وحید نامی صاحب کیا کرتے تھے جو اُن کے رشتہ دار نہیں تھے۔۱۰۰ عطیہ اور رحمین اپنے ہی عطیہ کیے ہوئے نوادرات کی نمائش ایوانِ

رفعت میں دیکھنے کی خواہش لیے دنیا سے رخصت ہوگئے تاہم یہ اعزاز نازلی بیگم کو حاصل ہوا جنھوں نے مارچ ۱۹۶۷ء میں بلدیہ کراچی کی جانب سے قائم کردہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، ڈینسو ہال کا افتتاح کیا۔ ۱۰۱ نازلی بیگم کا انتقال ۱۹۶۸ء میں ہوا۔فیضی خاندان کا تعارف نامکمل رہ جائے گا اگر عطیہ بیگم کے بھتیجے اصغر فیضی کے صاحبزادے آصف اے فیضی کا ذکر نہ کیا جائے۔ آصف فیضی علمی حلقوں میں اے-اے- فیضی کے نام سے معروف ہیں۔ انھیں اسلامی قانون کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے۔ آصف فیضی ۱۰ اپریل ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ چوں کہ اُن کے والد علی اصغر نازلی بیگم سے بہت قریب تھے لہٰذا آصف بھی نازلی بیگم اور نواب صاحب کی محبت کی چھاؤں میں آئے اس کا اندازہ نازلی بیگم کے ایک اندراج سے ہوتا ہے۔

> ''آصف جانی تو بلبل لاثانی ہے! حضور نواب صاحب کیوں (کیسے) اس کے لاڈ اٹھاتے ہیں۔ دیکھنے کے قابل ہے اور وہ شریر بھی خوب جانتا ہے کہ کہاں اس کا چلے گا۔ اس کا پڑھنا ٹھیک چلتا ہے۔ ۲ر دو مہینے ہوئے پیٹھ والی نانی صاحبہ کے نواسے داماد کو استاد رکھے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی ترقی کر رہا ہے۔'' ۱۰۲

نازلی بیگم نے اپنے خطوط کے مجموعے میں آصف فیضی کے خطوط بھی شامل کیے تھے جن میں سے ایک خط میں جو ۲۷ رمئی ۱۹۰۸ء کو تحریر کیا گیا ہے، آصف نے عربی، اردو اور انگریزی کا درس بخوبی پانے کی اطلاع دی ہے۔ ۱۰۳ اور دوسرے خط میں کتاب ''گلدستۂ تہذیب'' کے درس کی تکمیل قریب ہونے کی اطلاع دی ہے۔ یہ خط ۲۵ رجون ۱۹۰۹ء کو لکھا گیا ہے۔ ۱۰۴ آصف فیضی نے سینٹ زیویئرز کالج (St,Xavier`s College) بمبئی سے بی اے-ایل ایل بی کی سند حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ گئے وہ بمبئی لا کالج کے پرنسپل، مصر میں بھارت کے سفیر اور آخر میں جموں کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ ۱۰۵

آصف اے فیضی نے کئی کتابیں تصنیف کیں ان کی اہم تصانیف میں؛

"Inroduction to Muhammadan Law"، مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۳۱ء۔

"Islamic Culture"، مطبوعہ بمبئی، ۱۹۴۴ء۔

"Qutlines of Muhammadan Law"، مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۴۹ء۔

"Cases in the Muhammadan Law of India and Pakistan"، مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۵ء ہی میں شائع ہونے والی "The Improtance of Muhammadan Law in tha Modern World"، شامل ہیں۔ آصف اے فیضی نے ۱۹۶۴ء میں طیب جی خاندان کے بانی طیب علی بن بھائی میاں کی خودنوشت سوانح عمری کو مرتب کیا جسے جرنل

آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی نے اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع کیا۔اور بعدازاں ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے ایک تحقیقی مضمون مطبوعہ ''خدا بخش لائبریری جرنل'' جنوری، مارچ ۲۰۰۴ء میں اردو کی اوّلین سوانح عمریوں کے عالمانہ جائزے کے بعد اب تک کی اوّلین خودنوشت سوانح عمری قرار دیا۔اس طرح آصف فیضی نے دنیائے اردو کی ایک تصنیف کو جو گوشۂ گم نامی میں تھی منظرِ عام پر لانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔آصف اے فیضی کو ۱۹۶۲ء میں بھارت کے سب سے بڑے سرکاری اعزاز ''پدما بھوشن'' سے بھی نوازا گیا۔۱۰۶ وہ اردو کے مشہور مصنف قاضی کبیر الدین کے داماد تھے ان کی بیگم سلطانہ فیضی بھی صاحبِ تصنیف ادیبہ تھیں۔۱۰۷
آصف اے فیضی کا انتقال ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

رحمین فیضی،تعارف و شخصیت:

رحمین فیضی ۱۹ر دسمبر ۱۸۸۰ء ۱۰۸ میں بھارت کے شہر پونا میں پیدا ہوئے۔وہ ایک یہودی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آرٹ سے دل چسپی کی بنا پر وہ بمبئی کے جے جے اسکول آف آرٹ میں داخل ہوگئے۔جہاں ان دنوں مشہور برطانوی مصور سالمن جے سالمن (Solomon J. Slolomon) پرنسپل کے فرائض انجام دے رہے تھے۔۱۰۹ رحمین ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔رحمین نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس نے ان کی ابتدائی تعلیم کو متاثر کیا۔جب وہ ساڑھے چار برس کے تھے تو ایک عزیز ایک مرتبہ انھیں اپنے ساتھ سیر کے لیے لے گئے۔ایک جگہ بڑا مجمع دیکھ کر وہ لوگ رُک گئے۔قریب جانے پر علم ہوا کہ ایک بزرگ خاتون، جن کی عمر ایک سو ستر برس بتائی جاتی تھی، وہاں موجود تھیں اور لوگوں کا ہجوم ان سے دعا لینے کی خاطر ان کے گرد جمع تھا۔رحمین لوگوں کی بھیڑ میں سے راستہ بنا کر اس خاتون کے سامنے جا پہنچے۔خاتون جو اس وقت آرام کر رہی تھیں، رحمین کی جانب متوجہ ہوئیں اور اپنے خدمت گاروں سے کہہ کر رحمین کو اپنے قریب بلایا ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا اور اپنے پاس بٹھالیا۔کچھ دیر بعد خاتون اپنے خدمت گاروں کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوگئیں۔اب مجمع رحمین کی طرف متوجہ ہوا لیکن ان کے عزیز نے انھیں کسی طرح سے وہاں سے نکال کر گھر پہنچادیا۔والدین یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے ان کی والدہ کو یقین تھا کہ رحمین کسی بدروح کے زیرِ اثر آگئے ہیں۔اسی دوران شہر میں ان خاتون کی آمد اور ایک بچے پر عنایت کی خبر عام ہوگئی۔رحمین کے والدین نے انھیں ایک کمرے میں بند کردیا اور اس دن سے رحمین کا روزانہ اسکول جانا بھی موقوف ہوگیا۔انھیں خاص موقعوں پر ان کے بڑے بھائی اسکول لے جاتے۔۱۱۰ بمبئی میں آرٹ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مزید تعلیم کے لیے ۱۹۰۵ء میں لندن کے رائل کالج آف آرٹ میں داخل ہوئے جہاں اپنے وقت

کے ایک بہت بڑے پورٹریٹ پینٹر سر جان سنگر سارجنٹ (Sir John Singer Sargent) نے انھیں اپنا شاگرد بنایا اور رحمین نے ان کی نگرانی میں چار سال تک کام کیا۔ ۱۱؎ رحمین مشرقی اور خصوصاً ہندوستانی آرٹ کی جانب فطری طور پر مائل تھے اور مغربی آرٹ کے فروغ کے سبب ہندوستانی آرٹ سے عدم توجہی پر مایوس بھی۔ ایک روز انھوں نے سارجنٹ کو ہندوستانی آرٹ کا ایک نمونہ تیار کر کے دکھایا سارجنٹ اس تصویر کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور رحمین کو بھارت لوٹ جانے اور مغربی انداز ترک کر کے مشرقی خصوصاً ہندوستانی آرٹ پر توجہ کرنے کا مشورہ دیا۔ ۱۲؎ لندن سے واپسی پر رحمین مہاراجہ بڑودہ کے دربار میں فنونِ لطیفہ کے مشیر مقرر ہوگئے۔ یہاں انھوں نے خاندان گائیکواڑ کے اراکین اور شہزادوں کی تصاویر بنائیں اور مہاراجہ کے ذاتی دوست کی طرح رہنے لگے۔ ۱۳؎ رحمین نے اپنی پینٹنگز کی پہلی نمائش ۱۹۱۴ء میں فرانس کے شہر پیرس میں منعقد کی جو آرٹ کا مرکز تھا۔ اس نمائش کو بڑی دلچسپی سے دیکھا گیا۔ رحمین نے اس نمائش میں عطیہ بیگم اور مولانا شبلی نعمانی کے پورٹریٹس بھی پیش کیے جو خاصے مقبول ہوئے اور لندن کے "Studio" میگزین نے اپنی مارچ ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں ان پورٹریٹس کے عکس شائع کیے۔ اسی اشاعت میں آرٹ کے ایک بڑے نقاد ہنری فرانٹز (Henry Frantz) کا رحمین کے فن پر تبصرہ بھی شائع ہوا۔ جو رحمین کے لیے ایک اور اعزاز تھا۔ اپنے تبصرے میں ہنری فرانٹز نے رحمین کے کام کو تکنیکی اور جمالیاتی دونوں اعتبار سے مغرب سے مختلف قرار دیا اور اس بات کی تعریف کی کہ یورپ میں قیام اور تعلیم کے باوجود رحمین نے اپنی شناخت اور انفرادیت کو برقرار رکھا۔ انھوں نے رحمین کی شاندار ڈرائینگ، موزوں رنگوں کے عمدہ استعمال اور اعلیٰ تخیل کو رحمین کے فن کی بنیادی خصوصیات قرار دیا۔ ۱۴؎ پیرس کے بعد رحمین نے لندن اور یورپ کے کئی شہروں میں اپنی تصاویر کی نمائش کی۔ لندن کی "Goupil Galery" میں ہونے والی نمائش کو دیکھنے کے لیے ملکۂ برطانیہ بھی تشریف لائیں جو ایک ہندوستانی مصور کے لیے بڑا اعزاز تھا۔ ۱۵؎ لندن میں ہونے والی نمائش کے لیے جو کیٹلاگ تیار کیا گیا تھا اس کا عنوان تھا "The vedic, Traditional and Home life of India" اس کیٹلاگ میں کل ۳۳ تصاویر کی تفصیل تحریر کی گئی ہے۔ اس نمائش میں عطیہ بیگم اور شبلی نعمانی کے علاوہ نازلی بیگم اور امیر النساء بیگم کے پورٹریٹ بھی پیش کیے گئے۔ رحمین کے ہندوستانی ادب وثقافت سے گہرے لگاؤ کا پتہ اس نمائش میں شامل ایک تصویر کے عنوان "Garden Scene From Fasana-e-Azad" سے چلتا ہے۔ ۱۶؎ رحمین ۱۹۱۸ء میں نیویارک بھی گئے اور اپنے فن پاروں کی نمائش کی۔ ۱۹۲۸ء میں رحمین نے لندن کی "Tooth`s Gallaries" میں نمائش کی۔ اس موقع پر ان کی دو تصاویر، ''راگنی ٹوڈی'' اور ''رجپوت سردار'' کو برطانیہ کی نیشنل آرٹ گیلری نے مستقل نمائش کے لیے حاصل کیا۔ ۱۷؎ اس کے علاوہ

"Tooth`s Gallary" لندن اور لکسمبرگ میزیم (Luxumbourg Museum) پیرس نے بھی ان کی تصاویر مستقل نمائش کے لیے خریدیں ۱۸ا۔ ۱۹۲۶ء میں برطانوی حکومت نے انھیں امپیریل سیکریٹریٹ دہلی کے دو گنبدوں کی اندرونی سطح پر پینٹنگز کا کام سونپا۔ رحمین پہلے ہندوستانی مصور تھے جنھیں اس طرح کی ذمے داری دی گئی۔ انھوں نے بڑے گنبد کے اندرونی مرکز پر عربی رسم الخط میں ''اللہ اکبر'' اور چھوٹے گنبد کے اندرونی مرکز پر سنسکرت حروف ''اوم'' کے الفاظ تحریر کیے اور دونوں گنبدوں میں انھی الفاظ کی مطابقت میں تصاویر بنائیں۔ انھوں نے پینٹنگز میں قدرتی رنگ استعمال کیے جس کی وجہ سے یہ ہر طرح کی روشنی میں اچھے نظر آتے ہیں۔ ۱۱۹

رحمین نے موقلم کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی رشتہ قائم رکھا۔ انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

1......	Guilded India	(ناول)
2......	Daughter of India	(3 ایکٹ کا ڈرامہ)
3......	Invented gods	(3 ایکٹ کا ڈرامہ)
4......	Beni Israil In India	(تاریخ)
5......	Man and other mystic poems	(شاعری)
6......	Indian Painting and Sculpture	(آرٹ)
7......	Bagh Caves	(آرٹ)
8......	Who are the Hindoo Aryans	(تاریخ)
9......	Who are we? Whence do we come? Where do we go?	(تاریخ وفلسفہ)

رحمین کے ناول "Guilded India" کا ہی ٹائپ شدہ مسودہ بلدیہ عظمیٰ کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ جس پر ''فلک ناز'' کا ٹائٹل تحریر ہے۔ ۱۲۰

رحمین کی تمام تصانیف انگریزی زبان میں ہیں۔ ان کی صوفیانہ شاعری کا مجموعہ "Man" ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ اس کا پیش لفظ الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر امرناتھ جھا نے تحریر کیا ہے۔ ۱۲۱ اس مجموعے میں ۳۵ نظمیں شامل ہیں اور رحمین کی بنائی ہوئی سات تصاویر بھی مجموعے کا حصہ ہیں "Author`s note" کے تحت فیضی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ان نظموں کو پڑھا ہے وہ انھیں صوفیانہ قرار دیتے ہیں حالاں کہ

میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی ماسوائے اس کے کہ یہ نظمیں ایک مخصوص پس منظر لیے ہوئے ہیں جسے ہم مخفی یا ان دیکھا کہتے ہیں اور ہر وہ شئے جو مادی وجود نہیں رکھتی، پراسرار ہے لیکن جب بصیرت حاصل ہو جائے تو غائب موجود سے زیادہ حقیقی ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔۱۲۲ رحمین کی شاعری اگرچہ انگریزی میں ہے لیکن اس میں مشرقی سوچ اور انداز بہت واضح ہے۔ان کی نظموں کے عنوانات بھی بہت متنوع ہیں جیسے ''پیپل''، ''پجارن''، ''پنھاری''، "Hell & Heaven" "Stars" وغیرہ۔مجموعے کا آغاز ایک رباعی سے ہوتا ہے جس کا عنوان ہے "Man"۔ یہ رباعی بہت پُر اثر ہے۔

Man, You are proud
Beware, you tread on earth
Once I too was proud,
Now I am this earth. ۱۲۳

رحمین عبرانی زبان کے فاضل تھے۔۱۲۴ اور انھوں نے اپنی کتاب "Who are the Hindoo Aryans?" میں سنسکرت اور ہندومت سے اپنی گہری واقفیت کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔اس کتاب میں انھوں نے درجنوں حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ہندو آریا درحقیقت بنی اسرائیل سے ہیں۔ ۱۲۵

رحمین نے اپنا لکھا ہوا ڈرامہ "Daughter of India" ۱۹۳۷ء میں لندن کے ''آرٹس تھیٹر کلب'' میں پیش کیا اس کھیل کی موسیقی کے لیے میسور کے یوگراج خاص طور پر اپنے سازوں کے ہمراہ لندن گئے۔۱۲۶ اس کھیل کو دیکھنے کے لیے مہارانی بڑودہ بھی تشریف لے گئیں۔ڈرامے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈیلی میل کے نقاد کلائیو میک مینس (Clive Macmanus) نے لکھا کہ اس ڈرامے کی کہانی کے پسِ منظر میں رحمین کا ہندوستانی عورت کا فلسفیانہ مطالعہ شامل ہے۔۱۲۷ "Daughter of India" کو بہت پذیرائی ملی اور بہت سے اخبارات و جرائد میں اس پر تبصرے بھی شائع ہوئے۔

رحمین کو تعمیرات سے بھی گہری دلچسپی تھی انھوں نے عطیہ فیضی کی قیام گاہ ایوانِ رفعت بمبئی کی آرائش مختلف انداز سے کی تھی اس حوالے سے عطیہ بیگم کا ایک اقتباس نہ صرف ان کے کام کا پتہ دیتا ہے بلکہ عطیہ کی ان سے محبت کا اندازہ بھی اس تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

> ''ایوانِ رفعت، اس کی خوبصورتی اور راحت میں روزافزوں ترقی ہے۔میرے رحمین کی عقل کا خوبصورت نمونہ ہے اور دعوے سے کہتی ہوں کہ دنیا میں نظیر نہیں رکھتا ہے۔روز کوئی کرشمے رحمین ایجاد کرتے ہیں آجکل میں ۳ عجیب چیزیں ختم کرائی ایک تو خاص الخاص اور معین الحیات کا درمیانی

دروازہ اور مرمر کی سیڑھی کے اطراف میں دو پتھر کی صدیوں پرانی جالیاں جو شاہی زمانوں میں بنی تھی اور جس کو کھنڈر سے کھود کر نکالے دونوں کی خوبصورتی کے بیان سے قلم قاصر ہے اور اس کے مقابلے میں غلام گردش کے اس سرے میں Grand Father Clock لگایا ہے اور اوپر اور اطراف میں جالی سے بند کر دیا ہے۔ یہ ہونے سے یہ حصہ مکمل ہو گیا ہے اور کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیوں کیوں اور کیا کیا خیال آتے ہیں۔ کاری گروں کو بلواتے ہیں اور ان سے اِجرا بذاتِ خود کراتے ہیں۔ اب المحزن کو رنگ کرنا شروع کیا ہے دیکھیں اس میں کیا کیا شعبدے ہوتے ہیں۔ ہم بھی خیالوں میں خون لگا کر شہید ہو جاتے ہیں۔ باغ دونوں طرف کا ختم ہو گیا ہے ایک چاندی باغ ہے اور آفتاب باغ ہے یا باغ آفتاب، باغ مہتاب۔ مہتاب میں تمام سفید، آسمانی اور نافرمانی پھول لگے ہیں۔ دونوں طرف پہاڑیوں سے گنگا جمنا بہتی چلی جاتی ہے۔ درمیان میں فوارے ہیں اور باغ آفتاب میں زرد اور آتشی رنگوں کے گل بوٹے لگے ہیں۔ پیش گاہ کی جھلملی سے گزر کر باغ کے چاروں طرف نہروں سے گزر کر ٹنکی بھر جاتی ہے۔ وہیں آدھی انچ کی پائپ کا سارا کھیل ہے۔ پانی کی آواز رات دن آتی ہے۔ یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی میں ہیں اور اس انگریزی زمانے میں ہیں بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا عہد ہے اور آگرے کا شہر ہے۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔'' ۱۲۸

رحمین مغلیہ عہد کی تعمیرات کے ساتھ ساتھ اس عہد کی مصوری پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں مغلیہ مصوری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغلیہ مصوری کی امتیازی خصوصیات خطوط، رنگ اور شدید توانائی، اس عہد کے چھوٹے سے چھوٹے فن پارے میں بھی موجود ہیں۔ مغل فنکار رنگوں کے استعمال میں کوئی ضبط اور قید نہیں جانتے تھے۔ وہ جو رنگ چاہتے کام میں لاتے۔ ان کے یہاں دھیمے، سنہرے اور روپہلے سے لے کر نیلے، سرخ، سیاہ زرد، سبز غرض ہر طرح کے رنگ موجود ہیں اور یہ سب اس قدر شوخ اور چمک دار ہیں کہ بعض مورخ سمجھتے ہیں کہ انھیں لعل و جواہر پیس کر بنا گیا ہے۔ شاید ایسا ہی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ اکبر کے عہد میں ایک پورا کارخانہ مصوروں کے کام میں آنے والے رنگ تیار کرنے کے لیے مخصوص تھا۔ ۱۲۹

رحمین و عطیہ فیضی کی ازدواجی زندگی اور عطیہ بیگم پر اس کے اثرات:

عطیہ بیگم سے رحمین کی پہلی ملاقات جنجیرہ میں ہوئی جہاں رحمین جو اس وقت سموئل رحمین تھے، محل کی آرائش و مصوری کی غرض سے آئے تھے۔ عطیہ بیگم ابتدائی ملاقات کے بعد سے اُن سے خاصی متاثر ہو گئی تھیں، جلد دہم میں اس حوالے سے ایک اندراج اس قیاس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو ۱۲ر مئی ۱۹۱۱ء کو تحریر کیا گیا:

''.....مسٹر سا موئل شکر کہ ۴ مہینے ہمارے ساتھ رہنے والے ہیں ان کی صحبت ایسی ہے کہ انسان کو بہت پسند آئے۔ اتنی غریب اور شریف طبیعتیں بھی کم ہوتی ہوں گی۔'' ۱۳۰

رحمین کی شخصیت کے ساتھ ساتھ عطیہ بیگم ان کے فن سے بھی بے حد متاثر ہوئیں جب انھوں نے پہلی مرتبہ رحمین کی بنائی ہوئی تصویروں کو دیکھا:

''آج ہم مرود کو آ گئے ...... مسٹر سا موئل بھی اپنی مصوری میں مست تھے اور ۲، ۴ بہت خوبصورت تصویریں نقش کیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں مجھے تو یقین ہے کہ نامی artist ہوں گے خود کی کسر نفسی اس درجے کی ہے کہ کبھی اپنے خود کے کام کے متعلق ایک لفظ نہیں کہتے غضب کے شرماؤ ہیں اس لحاظ سے۔'' ۱۳۱

عطیہ بیگم اور رحمین کی ایک دوسرے سے قربت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور جب رحمین پانچ ماہ جنجیرہ میں گزارنے کے بعد بمبئی گئے تو عطیہ بیگم نے اس بات کو بہت محسوس کیا:

''آج حضور (نواب سِدی احمد خان) اور مسٹر سا موئل تشریف لے گئے۔ بمبئی اور مکان اور دل سُونا کر گئے۔ کیا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر سا موئل بھی بے مثل طبیعت کا آدمی ہے۔ ایسے رہے کہ گویا عزیز ہوں ۵ مہینے ہمارے ساتھ رہے مگر وقت کس طرح سے گزر گیا معلوم نہ ہوا۔ کیسے بھلے نیک طبیعت آدمی ہیں اپنے ہُنر کے بہت نمونے یہاں چھوڑ گئے۔ ایک تو بہن جان کا زبردست Painting پھر حضور کی Portrait۔ پھر میرا Sketch ......اس کے علاوہ تمام نوکروں کو اوپر سے نیچے تک سب کو قیمتی تحفے دیے۔ پیٹھ کے مدرسے کو ۵۰ روپے دیے۔ غریبوں کو کس قدر خیرات کی......ان کا نام ہم نے یعنی بہن جان نے ''حاتم البرامکا'' رکھا۔ اس پر بھی کیا منحصر۔ اگر میں نے نہ روکا ہوتا تو خدا جانے اور بھی کیا کیا کرتے۔ ان کی فیاض دلی ایک سرے سے دوسرے سرے تک مشہور ہو گئی اور کیوں نہ ہو۔'' ۱۳۲

عطیہ بیگم نے ۱۹۱۲ء میں یورپ کا سفر کیا تھا ان کے اس سفر میں زہرا بیگم کے علاوہ سموئل رحمین بھی تھے۔ ۱۳۳ اس سفر کا مقصد زہرا بیگم کے عارضۂ دماغ اور رحمین کے دق کے مرض کا علاج تھا اور اس مقصد کے لئے یہ لوگ لوزان (فرانس) میں دو ماہ سے زائد مقیم رہے۔ ۱۳۴ اس دوران کچھ دنوں کے لیے عطیہ اور رحمین لندن اور پیرس بھی ہو آئے جبکہ زہرا بیگم لوزان میں ہی زیرِ علاج رہیں۔ ۱۳۵ عطیہ بیگم نے اپنے ہم راہیوں کے ساتھ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو واپس بمبئی آ گئیں لیکن زہرا بیگم کا علاج مکمل نہ ہو سکا۔ ۱۳۶ اس طویل سفر سے عطیہ بیگم اور رحمین کے درمیان ایک تعلق پیدا ہو گیا اور بالآخر رحمین نے عطیہ بیگم کا رشتہ بھیجا۔ رحمین کے رشتہ بھیجنے اور قبولِ اسلام و شادی کے بارے میں عطیہ بیگم کا تحریر کردہ اندراج کچھ اس طرح سے ہے:

''جب ہم یورپ سے واپس آئے تو اس کے تیسرے روز رحمین نے ایک چٹھی لکھ کر بھیجی نواب صاحب، بھائی علی اصغر، ہمشیرہ جان زہرا اور بہن نازلی بیگم کو کہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ خیر آئے اور میرے لیے پیغام کیا۔ اور اپنے کو بالکل Unconditional سامنے رکھ دیا۔ اس خوبصورتی سے کیا کہ کوئی کچھ کہہ نہ سکا ۲ روز بعد مجھے پوچھا۔ تو میں نے کہا کہ یہ آدمی تو مجھے بہت پسند ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو منظور ہے تو مجھے بھی منظور ہے۔

تعجب کا مقام تو یہ ہے کہ رحمین اتنی مدت تک ہمارے ساتھ رہے مگر ایک اشارے سے بھی مجھے یا کسی کو ان کے دل کا راز ظاہر نہ کیا۔ بلکہ ہمیشہ اسقدر محبوبیت اور gentlemanly اور شریفانہ برتاؤ سے پیش آتے تھے کہ حد نہیں۔ کسی بات کی زیادتی نہیں۔ مطلب کہ اس قدر Well-behaved تو کسی کو نہ دیکھا۔ خیر میں نے جب فوراً ہاں کہا تو نواب صاحب کا ایک Remark عجیب معلوم ہوا۔ انھوں نے یہ کہا کہ ''چلو بی بی اب تو کچھ باقی نہ رہا جب کہ عطیہ نے بھی ہاں کہا تو اب ہم کو کہنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔'' تو میں نے فوراً اس کا جواب دیا کہ اگر آپ لوگوں کو منظور ہو تو ورنہ میری خوشی کوئی چیز نہیں ہے۔ تو بڑے زوروں سے رحمین کی وہ صفتیں گانے لگے کہ معاذ اللہ...... خیر بھائی علی اصغر نے حضرت سے کہا اور شکر ایزدی کہ ۱۶ ویں اکتوبر ۱۹۱۲ء اور ۶ ر ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ کو صبح میں ۱۰ بجے ساموئل مشرف بہ اسلام ہوئے اور بھائی کا یہ تار آیا "Muhammad Ismail-Rahamin Samuel Mobarak" ساموئل کے قریب قریب کا نام اسمٰعیل تھا تو حضرت نے یہ رکھا۔ مشرف بہ اسلام ہو گئے یہ سب سے بڑی بات ہو گئی ہماری جماعت کے رکن بنائے گئے اور میں خوش ہوئی۔ جب خدا تعالیٰ کو کوئی کام منظور ہوتا ہے تو وہ اس طرح سے ہوتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مجھ پر کئی پیغام آ چکے ہوں گے۔ اچھے مالدار اور روسا نامی گرامی لوگوں کے۔ مگر شادی کے خیال سے سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا۔ جب یہ ہونا تھا قسمت میں تو از غیبی یہ آدمی نکل آئے نہ جان نہ پہچان۔ نہ سان نہ گمان اور سب بہ خوبی انجام، اور کیسے جلدی ہو گیا۔ خدا کی باتیں سبھی ایسی ہیں............ آخر رحمین کا عقد ۲۵ ویں نومبر کو ہوا اور ۵ ر دسمبر کو شادی قرار پائی۔ بھائی علی اصغر نے بھی اس معاملے میں خوب ساتھ دیا۔'' ۱۳۷

عطیہ بیگم اور رحمین کی شادی سے اس خلیج کے آثار نمایاں ہوئے جو نواب جنجیرہ اور نازلی بیگم کے درمیان حائل ہو چکی تھی اور فیضی خاندان کی تقسیم کی بنیاد بھی یہیں سے پڑی جس کے نتیجے میں تینوں بہنیں اپنے بھائیوں سے بتدریج دور ہوتی چلی گئیں۔ (اس حوالے سے نازلی بیگم کا ایک اندراج گزشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے) رحمین سے شادی نے عطیہ بیگم کو بہت حوصلہ دیا اور وہ سماجی زندگی میں بھر پور طریقے سے حصہ لینے لگیں۔ رحمین مرد و زن کی مساوات کے قائل تھے اور اسی لیے انھوں نے عطیہ بیگم کا ہر سطح پر ساتھ دیا۔ ضیاء الدین برنی

جن کا قریبی تعلق عطیہ ورحمین سے آخر وقت تک قائم رہا۔ اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان کے (رحمین) تعلقات اپنی بیوی عطیہ بیگم کے ساتھ انتہائی محبت کے اور شریفانہ تھے۔ وہ گھر میں عورت کی بالادستی کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ سکون کی زندگی اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عورت مرد سے افضل ہے اس لیے کہ اس کے بغیر آدم کی زندگی نامکمل تھی۔" ۱۳۸

فیضی رحمین کی وفات ۹ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ہوئی اور انھیں کراچی میں سلیمانی بوہروں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ عطیہ بیگم نے فیضی رحمین کی قبر کے برابر میں اپنے لیے جگہ مختص کرائی تھی۔ ۱۳۹ اور ۴ر جنوری ۱۹۶۷ء کو جب عطیہ بیگم کا انتقال ہوا تو انھیں رحمین فیضی کے پہلو میں ہی سپردِ خاک کیا گیا۔

حواشی:

۱ ہنٹر ڈبلیو-ڈبلیو (Hunter W.W.)، "Imperial Gazetteer of India"، جلد نہم، ص ۲۹۲ و جلد ۲۶، "اٹلس"، پلیٹ نمبر ۳۸۔

۲ ایضاً۔

۳ ایضاً، ص ۲۹۷۔

۴ ایضاً، ص ۲۹۲۔

۵ ایضاً، ص ۲۹۷۔

۶ ایضاً، ص ۲۹۲۔

۷ ابن بطوطہ، "عجائب الاسفار"، مترجمہ: خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب، ص ۲۷۴-۲۷۵۔

۸ "Murray`s India"، دسواں ایڈیشن، ص ۱۷۰، بحوالہ حسین بی طیب جی، "Badruddin Taybji a biography"، ص ۱۔

۹ ہنٹر ڈبلیو-ڈبلیو، جلد نہم، ص ۲۹۳۔

۱۰ پراگ نرائن بھارگو، "صحیفۂ زرّیں"، ص ۱۴۱۔

۱۱ حسین بی طیب جی، ص ۱۔

۱۲ مرے ٹی ٹائی ٹس (Murray T. Titus)، "Islam in India and Pakistan"، ص ۱۰۳۔

۱۳ "Bombay Gazetteer"، جلد ۹، حصہ دوم، ص ۲۴، بحوالہ حسین بی طیب جی، ص ۱۔

۱۴ مرے ٹی ٹائی ٹس، ص ۱۰۴۔

۱۵ آصف اے فیضی، "The Auto Biography of Tyabjee Bhoymeeah"، مشمولہ

"Journal of Asiatic Society of Bombay"، اپریل ۱۹۲۴ء، ص ا۔

۱۶۔ ''اخبار قبیلۂ طیبی''، جلد دوم، بحوالہ: آصف اے فیضی، ص ا۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ہنٹر ڈبلیو۔ڈبلیو، جلد نہم، ص ۲۹۳۔

۱۹۔ آصف اے فیضی، ص ۳-۴۔

اس آگ سے ہونے والی تباہی کی تفصیلات کو بمبئی کے ایک شاعر فقیہہ نے، جن کا اصل نام باپو میاں تھا، ایک سو انتالیس اشعار کی ایک مثنوی میں قلم بند کیا ہے۔اس مثنوی کے بعض اشعار ڈاکٹر میمونہ دلوی کے مقالے ''بمبئی میں اردو'' کے صفحات ۹۲-۹۳ پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۶۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۲۳۔ ''بمبئی گزیٹر''، ۱۹۰۹ء، ص ۱۸۰، بہ حوالہ حسین بی طیب جی، ص ۲۔

۲۴۔ آصف اے فیضی، ص ۲۴ و حسین بی طیب جی، ص ۹۔

۲۵۔ حسین بی طیب جی، ص ۷۔

۲۶۔ آصف اے فیضی، ص ۱۱۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۴ (اردو حصہ)۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۲۹۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر،''اردو کی اوّلین خودنوشت سوانح عمریاں''، مشمولہ ''خدا بخش لائبریری جنرل''، جنوری/مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۶۳۔

۳۰۔ آصف اے فیضی، ص ۹۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۲۴۔

طیب جی کے بیٹوں، بیٹیوں اور ان کی بہوؤں اور دامادوں کے نام ترتیب وار اس طرح سے ہیں:

i) زینب بی زوجہ شیخ داؤد شیخ احمد

ii) شجاع الدین طیب جی، ان کی شادی درّۃ الولی بنتِ جیوا بھائی سے ہوئی

iii) سکینہ بی زوجہ جیوا بھائی بن عبدالعلی

iv) شمس الدین طیب جی، ان کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی امینہ بنتِ انور علی سے اور دوسری حمیدہ بنتِ حیدر علی سے

v) قمر الدین طیب جی ان کی بھی دو شادیاں ہوئیں پہلی حسینہ بی بنتِ ملا لقمان جی اور دوسری خاور سلطان بنتِ

مشہدی کاظم سے۔

vi) کلثو مبی زوجہ فتح علی شیخ احمد

vii) نجم الدین طیب جی، ان کی تین شادیاں ہوئیں، پہلی درّۃ الصدف بنتِ فیض حیدر سے، دوسری مریم بنتِ الحاج صالح سے اور تیسری درّۃ النساء بنتِ محمد حسین سے۔

viii) بدرالدین طیب جی (جسٹس)، ان کی شادی راحت النفس بنتِ شرف علی سے ہوئی۔

ix) امیرالدین طیب جی، ان کی شادی حمیدہ بنتِ حیدر علی (بیوہ شمس الدین طیب جی) سے ہوئی۔

x) نضرۃ النعیم زوجہ فتح علی شیخ احمد

۳۲ آصف اے فیضی، ص۱۲۔

۳۳ ایضاً۔

۳۴ ایضاً، ص۳۔

۳۵ ڈاکٹر میمونہ دلوی، ''بمبئی میں اردو''، ص۶۸ تا۷۲۔

۳۶ حسین بی طیب جی، ص۲۸۲۔

۳۷ ایضاً، ص۲۸۰۔

۳۸ دسنوی، شہاب الدین، ''انجمن اسلام کے سوسال''، ص۲۲۔

۳۹ ''تاریخِ انجمن اسلام''، (قلمی) ص۱۸۱، بحوالہ دسنوی، ص۴۳۔

۴۰ ڈاکٹر میمونہ دلوی، ص۲۷۸۔

۴۱ ملاحظہ ہو: "Rules of the Islam Club with a list of members and the Report for 1893"، مطبوعہ رائل پرنٹنگ پریس، بمبئی، ۱۸۹۴ء۔

۴۲ حسین بی طیب جی، ص۲۴۔

۴۳ درّۃ الولی کے تعلیم یافتہ ہونے کا اندازہ ان کی تحریروں سے ہوتا ہے جو کہ کتاب قبیلہ شجاع الدین طیب جی کی جلد پنجم میں جابہ جا ملتی ہیں اس کے علاوہ ان کے چند خطوط بھی ہیں جو نازلی بیگم کے نام ہیں۔

۴۴ ''کتاب اخبار قبیلہ طیبی'' کی جلد پنجم (قلمی) کا آغاز ۲۲/اپریل ۱۸۷۹ء سے ہوتا ہے اور ۱۱/فروری ۱۸۸۵ء کو اس جلد کا اختتام ہوتا ہے۔ اس جلد میں کل ۲۶۶ صفحات پر اندراجات موجود ہیں۔ مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

۴۵ زہرا بیگم، امیر النساء کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ اپنی والدہ کی طرح وہ بھی شاعرہ اور مصنفہ تھیں۔ علی اصغر، علی اکبر اور زہرا بیگم سے چھوٹے تھے وہ مشہور مصنف اور سابق سفیر، آصف اے فیضی کے والد تھے۔

۴۶ ''کتاب اخبار قبیلہ طیبی'' (قلمی) جلد پنجم، ص۱۲۰۔

امیر النساء اردو میں بھی شاعری کیا کرتی تھیں۔ ان کی ایک نعت بہ عنوان ''مدح'' تہذیبِ نسواں'' کی ۲/اگست ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو شمارۂ مذکور، ص۷۹۹۔

۴۷؎ ریویو کتب ''آمین''، مشمولہ ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور، ص ۱۷۶-۱۷۷، مارچ ۱۹۱۴ء۔

۴۸؎ اخبار قبیلۂ شجاع الدین طیبی کی جلد دہم (قلمی)، ۱۳ر دسمبر ۱۹۱۰ء سے ۶ر جون ۱۹۱۸ء کے واقعات و اندراجات پر مشتمل ہے۔ مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی

۴۹؎ ریویو کتب ''آمین''، مشمولہ ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور، ص ۱۷۶، مارچ ۱۹۱۴ء۔

۵۰؎ زہرا بیگم، مکتوب بہ نام نازلی بیگم و دیگر، محررہ ۴ر اگست ۱۹۰۸ء، (غیر مطبوعہ) مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

۵۱؎ ''اخبار نامہ احمد'' (قلمی) کی جلد اول مئی ۱۸۹۶ء تا اگست ۱۸۹۸ء اور جلد دوم اگست ۱۸۹۸ء تا مئی ۱۹۰۴ء کے حالات و واقعات کے اندراجات پر مشتمل ہے۔

نازلی بیگم نے نواب سِدّی احمد خان کے نام کی نسبت سے اس اخبار نامے کو ''احمدی'' کا نام دیا تھا۔ تاہم اس میں زیادہ تر اندراجات نازلی بیگم اور ان کے ننھیال کے افراد کے تحریر کردہ ہیں۔ کہیں کہیں نواب سِدّی خان نواب جنجیرہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کے تحریر کردہ اندراجات بھی نظر آتے ہیں۔ (یامین)

۵۲؎ اس رشتے کی تصدیق اس اخباری تراشے سے بھی ہوتی ہے جو حسن علی فیضی کے انتقال کی خبر پر مبنی ہے اور نازلی بیگم نے اسے ''اخبار نامۂ احمدی'' کے جلد دوم کے صفحہ ۳۱۹ پر چسپاں کیا ہے اس خبر میں بھی حسن علی فیضی کو شجاع الدین طیب جی کا کزن اور داماد بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مولوی امین زبیری نے جو فیضی خاندان سے خاصے قریب تھے اپنی تصنیف ''شبلی کی رنگین زندگی'' میں حسن علی فیضی کو جسٹس بدرالدین طیب جی کا ابنِ عم (چچازاد بھائی) لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تصنیف مذکورہ صفحہ ۵۹۔

۵۳؎ حسن علی فیضی کے انتقال کے سن اور انتقال کے وقت ان کی عمر کے حساب سے ان کا سنِ پیدائش ۱۸۲۷ء بنتا ہے۔

۵۴؎ تھیوڈور۔ پی۔ رائیٹ (Theodore P. Wright)، "Muslim Kinship and Modernization: The Tyabji Clan of Bombay"، مشمولہ "Family and kinship among Muslims in India"، ص ۲۲۳، مرتبہ: امتیاز احمد

۵۵؎ رحمین فیضی، "Who are we? whence do we come? where do we go?"، ص ۱۴۔

۵۶؎ ''اخبار نامہ احمدی''، (قلمی)، جلد دوم، ص ۳۱۸-۳۱۹

۵۷؎ ''اخبار قبیلۂ طیبی''، (قلمی)، جلد پنجم، ص ۲۵۸

۵۸؎ ''اخبار نامہ احمدی''، (قلمی)، جلد دوم، ص ۳۱۸-۳۱۹

۵۹؎ علامہ شبلی نعمانی، ''مکتوب بہ نام زہرا بیگم''، محررہ ۲۷ر فروری ۱۹۰۹ء، مشمولہ ''خطوطِ شبلی''، ص ۱۰۴۔

۶۰؎ علامہ شبلی نعمانی، ''کلیاتِ شبلی''، (فارسی)، ص ۱۲۲۔

۶۱؎ زہرا بیگم نے اپنے مکاتیب اور دیگر تحریروں میں اپنا نام (ا)، کے ساتھ لکھا ہے اور یہی املا ان کے اہلِ خانہ بھی استعمال کرتے تھے۔ (یامین)

۶۲۔ ''خاتون''، (علی گڑھ)، جنوری ۱۹۰۶ء، ص۹۔
۶۳۔ ایضاً، ص۴۵۔
۶۴۔ ملاحظہ ہو''عصمت'' کے ۱۹۲۷ء کے شمارے
۶۵۔ ''الناظر (لکھنؤ)، یکم اگست ۱۹۰۹ء، ص۵۱
۶۶۔ زہرا بیگم، ''بیگم صاحبہ شاہنواز''، تہذیب نسواں''، ۱۷رجنوری ۱۹۳۱ء
۶۷۔ زہرا بیگم، ''محترمہ محمدی بیگم کا روحانی تعلق''، تہذیب نسواں''، ۱۴رجون ۱۹۳۰ء، ''یادِایام''، ۲رجولائی ۱۹۳۲ء۔
۶۸۔ دلوی، ڈاکٹر عبدالستار، ''پونے کے مسلمان''، ص۱۱۴۔
۶۹۔ عبدالعلیم نامی، ''اردو تھیٹر''، جلد اوّل، ص۳۰۹۔
۷۰۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی، ''بمبئی میں اردو''، ص۲۷۔
۷۱۔ علامہ شبلی نعمانی، ''خطوطِ شبلی''، ص۸۹۔
۷۲۔ ایضاً، ۹۷۔
۷۳۔ ایضاً، ۹۸۔
۷۴۔ ایضاً، ۱۱۸۔
۷۵۔ ملاحظہ ہو''اخبار نامہ قبیلہ شجاع الدین طیبی'' (قلمی)، جلد ۱۲، ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء
۷۶۔ نازلی رفیعہ سلطان، ہر ہائی نس، ''سیرِ یورپ''، یونین اسٹیم پریس، لاہور، (س ن)
۷۷۔ ''محترمہ زہرا فیضی کا انتقال''، ''عصمت''، دہلی، فروری ۱۹۴۱ء
۷۸۔ نازلی بیگم کی تاریخ ولادت ''اخبار نامہ قبیلہ طیبی، جلد پنجم'' (قلمی) کے صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ پر امیر النساء بیگم کے ایک اندراج سے معلوم کی گئی ہے جو ۱۳رمحرم ۱۲۹۹ھ کو نازلی بیگم کی سالگرہ سے متعلق ہے۔ امیر النساء بیگم کے مطابق ''آٹھ سال پورے ہوئے اور نواں لگا'' اس اندراج کی رُو سے نازلی بیگم کی تاریخ ولادت ۱۹رفروری ۱۸۷۴ء ہوئی۔ جبکہ پروفیسر محمد اسلم نے ''خفتگانِ کراچی'' میں صفحہ ۹۵ پر نازلی بیگم کی قبر کا جو کتبہ نقل کیا ہے اس پر ان کی عمر ۹۰ برس لکھی ہوئی ہے۔ نازلی بیگم کا انتقال ۱۹۶۸ء میں ہوا۔ اس اعتبار سے ان کی ولادت کا سال ۱۸۷۸ء ہوا۔ چوں کہ نازلی بیگم کی آٹھویں سالگرہ کا اندراج ان کی والدہ کے ہاتھ سے کیا گیا ہے لہٰذا اسی اندراج کو معتبر مانتے ہوئے سنِ ولادت ۱۸۷۴ء سمجھنا چاہیے۔
۷۹۔ ''اخبار نامہ احمد گنج''، مروڈ جزیرہ (قلمی)، جلد اوّل، ص۱۴۔
۸۰۔ ''صحیفۂ زرّیں''، ص۱۶۱۔
۸۱۔ قاسمی، ڈاکٹر محمد سعود عالم، ''جزیرے کی بازیافت''، ص۹۔
۸۲۔ قاسمی، ڈاکٹر محمد سعود عالم، ''جزیرے کی بازیافت''، ص۱۵۔
۸۳۔ ایضاً، ص۱۵-۱۶۔

۸۴۔ ''صحیفۂ زرّیں''، ص۱۵۹۔

۸۵۔ ایضاً، ص۱۶۱۔

۸۶۔ قاسمی، ص۴۱۔

۸۷۔ نازلی رفیعہ سلطان، ہر ہائی نس، ''سیرِ یورپ''، یونین اسٹیم پریس، لاہور، (س ن)

۸۸۔ ایضاً، ص۱-۲۔

۸۹۔ قاسمی، ص۴۰۔

۹۰۔ نقوی، ڈاکٹر منظر عباس، ''خطوط اقبال بنام عطیہ فیضی''، ص۲۴-۲۵۔

۹۱۔ نازلی رفیعہ سلطان، ہر ہائی نس، ص۲۴۶-۲۴۷۔

۹۲۔ فیضی خاندان کے احوال کو جاننے میں یہ دونوں جلدیں بھی راقم کے لیے بہت مددگار ثابت ہوئیں۔

۹۳۔ ''آٹوگراف بک''، ص۵۶، مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی

۹۴۔ ایضاً، ص۱۳۰۔

۹۵۔ ایضاً، ص۱۳۱۔

۹۶۔ ''اخبار نامہ قبیلہ طیبی'' جلد دہم، (قلمی)، ص۸۴ تا ۹۲۔

۹۷۔ ایضاً، اندراج یکم، ۲، اور ۳/ اپریل ۱۹۱۵ء۔

۹۸۔ قاسمی، ص۳۳۔

۹۹۔ ''اخبار نامۂ قبیلہ فیضی طیّبی'' جلد دہم، ص۲۳۷-۲۳۸۔

۱۰۰۔ ''جنگ''، روزنامہ، کراچی، ۷/جنوری ۱۹۶۷ء۔

۱۰۱۔ ایضاً، ۳۱/مارچ ۱۹۶۷ء۔

۱۰۲۔ ''اخبار نامہ احمدی'' جلد دوم، (قلمی)، ص۳۳۳، اندراج مورخہ ۱۷/اگست ۱۹۰۳ء۔

۱۰۳۔ نازلی بیگم کا مجموعۂ مکاتیب (غیر مطبوعہ)، مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی

۱۰۴۔ نازلی بیگم کا مجموعۂ مکاتیب (غیر مطبوعہ)، مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی

۱۰۵۔ "Muslims of India, A biographical Dictionary"، جلد اوّل، ص۱۲۶۔

۱۰۶۔ ایضاً،

۱۰۷۔ ایضاً،

۱۰۸۔ ''اخبارِ بلدیہ''، خصوصی شمارہ، دسمبر/جنوری ۸۸-۱۹۸۷ء، ص۱۰، والیس امجد علی، "Painters of Pakistan"، ۱۹۹۵ء، اسلام آباد، ص۸۰۔

۱۰۹۔ ایلس امجد علی، ص۸۰۔

۱۱۰۔ رحمین فیضی، "Who are we? whence do we come? where do we go?"،

ص ۳۵ تا ۳۷۔

۱۱۱۔ ایس امجد علی، ص ۸۰۔

۱۱۲۔ "The Daily Express"، لندن کے نمائندے سے گفتگو، مطبوعہ ۶ر دسمبر ۱۹۲۹ء۔

۱۱۳۔ ''الف''، ''ایک ہندوستانی مصور''، مشمولہ ''مخزن''، لاہور، دسمبر ۱۹۱۴ء، ص ۲۳-۲۴، رحمین ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آئے۔ ("The Indian Magazine"، لندن، جولائی ۱۹۲۳ء)۔

۱۱۴۔ "The Studio"، لندن، مارچ ۱۹۱۴ء۔

۱۱۵۔ "The Daily Telegraph"-، لندن، ۲۲ر جولائی ۱۸۱۴ء۔

۱۱۶۔ "Catalogue of Paintings"، مطبوعہ ولیم مرچنٹ اینڈ کمپنی، لندن ۱۹۱۴ء۔

۱۱۷۔ "The Times"، لندن، ۲۴ر جولائی ۱۹۲۵ء

۱۱۸۔ واسودیوبی مہتا، "Mural Paintings At Delhi"، مشمولہ "The Bulider"، دسمبر ۱۹۲۹ء، ص ۱۰۰۲۔

۱۱۹۔ ایضاً۔

۱۲۰۔ رحمین فیضی، ''فلک ناز'' مسوّدہ ٹائپ شدہ،

The Litrary Typewriting office, Telephone Museum 1953,

W.O.1,48-Great Russel Street,(Louise Jacobs),۔ مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

فلک ناز کے حوالے سے بلدیہ کے ایک بروشر ''ایوانِ رفعت'' میں تحریر ہے کہ:

''بیگم عطیہ فیضی اور ''ان کے خاندان کے بارے میں صحیح معلومات بہت کم لوگوں کو حاصل ہیں۔ ان کی تصنیف کردہ کتاب ''فلک ناز'' اس خاندان کے بارے میں نہایت ہی مفید معلومات پیش کرتی ہے۔''

حالاں کہ حقیقت سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اس غلط فہمی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ''فلک ناز'' کی ہیروئن، فلک ناز اور عطیہ بیگم کی بڑی بہن نازلی بیگم کے حالات میں خاصی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً فلک ناز کی شادی انگریز گورنر کے مشورے پر ایک ریاست کے نواب سے، جو اُس سے عمر میں خاصے بڑے تھے، طے پانا۔ فلک ناز کے والدین کا کسی عرب ملک سے ہندوستان آنا اور مسلمانوں کے ایک مخصوص فرقے سے تعلق رکھنا۔ پھر فلک ناز کے والد کا نام ''علی'' اور دیگر کئی واقعات جن سے یہ شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نازلی بیگم کی کہانی ہے اور غالباً اسی مغالطے میں سرسری مطالعے کے بعد یہ قیاس کیا گیا کہ ''فلک ناز'' دراصل فیضی خاندان کے احوال و آثار پر مبنی کتاب ہے۔

۱۲۱۔ رحمین فیضی، "Man"، بمبئی، ۱۹۴۴ء۔

۱۲۲۔ ایضاً، ص ۷۔

۱۲۳۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۱۲۴۔ برنی، ضیاالدین احمد، ''اقبال دیگر مشاہیر اور عطیہ فیضی''، مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، اپریل ۱۹۶۷ء۔

۱۲۵۔ رحمین فیضی، "Who are the Hindoo Aryans"، کراچی، (س ن)، دی پاکستان یونیورسٹی پریس، کراچی

۱۲۶۔ "The Daily Mirror"،لندن،۲۲رمئی ۱۹۳۷ء۔

۱۲۷۔ "Clive Macmanus"،''ڈیلی میل''،لندن،۲۴رمئی ۱۹۳۷ء۔

۱۲۸۔ ''اخبارنامہ قبیلہ شجاع الدین طیّبی''،جلد ۱۳،اندراج محرّرہ ۱۷رجون ۱۹۲۳ء۔

۱۲۹۔ رحمین فیضی،''مغلیہ مصوری،ایک تعارف''،مشمولہ''ماہِ نو''،چالیس سالہ مخزن،جلد دوم،جولائی ۱۹۶۷ء۔

۱۳۰۔ ''اخبارنامہ قبیلہ شجاع الدین طیّبی''،جلد دہم،ص ۱۹۔

۱۳۱۔ ایضاً،ص ۲۰،۲۵رجون ۱۹۱۱ء۔

۱۳۲۔ ایضاً،ص ۲۳-۲۴،یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء۔

۱۳۳۔ ''کتاب اخبار قبیلہ فیضی طیبی''،(قلمی)جلد دہم،ص ۵۶۔

۱۳۴۔ ''کتاب اخبار قبیلہ فیضی طیبی''،(قلمی)جلد دہم،ص ۵۹تا۶۵۔

۱۳۵۔ ایضاً،ص ۲۳،مورخہ ۳رجون ۱۹۱۲ء۔

۱۳۶۔ ایضاً،ص ۵۶۔

۱۳۷۔ ایضاً،ص ۷۷تا۷۹۔

۱۳۸۔ برنی،ضیاالدین احمد،''اقبال دیگر مشاہیر اور عطیہ فیضی''،مشمولہ''ماہِ نو''،کراچی، اپریل ۱۹۶۷ء۔

۱۳۹۔ ایضاً،

ضیاءالدین برنی نے تدفین کے موقع پر عطیہ کا گورکنوں سے کہا ہوا یہ جملہ نقل کیا ہے:

''ان کے برابر میں میری قبر کے لیے بھی جگہ رکھنا۔میں بھی اب آ ہی رہی ہوں۔''

فہرست اسنادِ محولہ:

۱۔ ابن بطوطہ:سن ندارد،مترجمہ:خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب''عجائب الاسفار''،

۲۔ امجد علی،ایس:۱۹۹۵ء،"Painters of Pakistan"، اسلام آباد۔

۳۔ پراگ نرائن بھارگو،''صحیفۂ زرّیں''،

۴۔ تھیوڈور-پی-رائیٹ(Theodore P. Wright)،"Muslim Kinship and Modernization: The Tyabji Clan of Bombay"،مشمولہ "Family and kinship among Muslims in India"،مرتبہ:امتیاز احمد

۵۔ دسنوی،شہاب الدین:سن ندارد،''انجمن اسلام کے سو سال''

۶۔ دلوی،میمونہ،ڈاکٹر:سن ندارد،''بمبئی میں اردو''،

۷۔ دلوی،عبدالستار،ڈاکٹر:سن ندارد،''پونے کے مسلمان''۔

۸۔ رحمین فیضی، "Man"، ۱۹۴۴ء، بمبئی۔

۹۔ رحمین فیضی، "Who are the Hindoo Aryans"، سن ندارد، دی پاکستان یونیورسٹی پریس، کراچی۔

۱۰۔ رحمین فیضی، "Who are we? whence do we come? where do we go?"

۱۱۔ ''صحیفۂ زرّیں''،

۱۲۔ علامہ شبلی نعمانی، ''کلیاتِ شبلی''، فارسی

۱۳۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر: ۲۰۰۴ء، ''اردو کی اوّلین خونوشت سوانح عمریاں''، خدا بخش لائبریری جنرل،

۱۴۔ قاسمی، محمد سعود عالم، ڈاکٹر: سن ندارد، ''جزیرے کی بازیافت''،

۱۵۔ قاسمی، ڈاکٹر محمد سعود عالم، ڈاکٹر: سن ندارد ''جزیرے کی بازیافت''،

۱۶۔ ''کتاب اخبار قبیلہ طیبی'' (قلمی) جلد پنجم، مخزونہ فیضی رحیمن آرٹ گیلری، کراچی۔

۱۷۔ مرے ٹی ٹائی ٹس (Murray T. Titus)، "Islam in India and Pakistan"

۱۸۔ میمونہ دلوی، ڈاکٹر: سن ندارد، ''بمبئی میں اردو''۔

۱۹۔ نازلی بیگم کا مجموعۂ مکاتیب، غیر مطبوعہ، مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

۲۰۔ نازلی رفیعہ سلطان، ہر ہائی نس: سن ندارد، ''سیرِ یورپ''، یونین اسٹیم پریس، لاہور،

۲۱۔ نامی، عبدالعلیم: سن ندارد ''اردو تھیٹر''، جلد اوّل،

۲۲۔ نعمانی، علامہ شبلی: سن ندارد، ''خطوطِ شبلی''،

۲۳۔ ہنٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو (Hunter W.W.): سن ندارد، "Imperial Gazetteer of India"، جلد نہم، ''اٹلس''۔

۲۴۔ "Murray`s India"، دسواں ایڈیشن

۲۵۔ "Bombay Gazetteer"، جلد ۹، حصہ دوم

۲۶۔ "Journal of Asiatic Society of Bombay"، اپریل ۱۹۲۴ء۔

۲۷۔ "Rules of the Islam Club with a list of members and the Report for 1893"، مطبوعہ رائل پرنٹنگ پریس، بمبئی، ۱۸۹۴ء

۲۸۔ "Muslims of India, A biographical Dictionary"، جلد اوّل

۲۹۔ "The Daily Express"، لندن کے نمائندے سے گفتگو، مطبوعہ ۶ دسمبر ۱۹۲۹ء،

۳۰۔ "Catalogue of Paintings"، ۱۹۱۴ء، مطبوعہ ولیم مرچینٹ اینڈ کمپنی، لندن۔

۳۱۔ The Litrary Typewriting office, Telephone Museum 1953, W.O.1,48-Great Russel Street,(Louise Jacobs)۔ مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

قلمی نسخہ:

۱۔ ''تاریخ انجمن اسلام''، قلمی

۲۔ رحمین فیضی، ''فلک ناز'' مسوّدہ ٹائپ شدہ،

مکتوب:

۱۔ مکتوب زہرا بیگم بہ نام نازلی بیگم ودیگر، محررّہ ۴؍اگست ۱۹۰۸ء، (غیر مطبوعہ) مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

۲۔ نعمانی، علامہ شبلی: ۲۷؍فروری ۱۹۰۹ء، ''مکتوب بہ نام زہرا بیگم''

۳۔ ''کتاب اخبار قبیلہ فیضی طیبی''، قلمی، جلد دہم

اخبارات:

۱۔ 'اخبار نامہ قبیلہ شجاع الدین طیبؔی'، قلمی، جلد۱۲، ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء

۲۔ ''اخبار نامہ قبیلہ شجاع الدین طیبؔی''، جلد۱۳، اندراج محررّہ ۱۷؍جون ۱۹۲۳ء

۳۔ ''اخبار نامہ قبیلہ شجاع الدین طیبؔی''، قلمی، جلد دہم، مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، کراچی۔

۴۔ ''اخبار نامہ احمدی'' (قلمی)، جلد اول مئی ۱۸۹۶ء تا اگست ۱۸۹۸ء اور جلد دوم اگست ۱۸۹۸ء تا مئی ۱۹۰۴ء کے حالات وواقعات کے اندراجات پر مشتمل ہے۔

۵۔ ''اخبار نامہ احمدی'' جلد دوم، قلمی، اندراج مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۳ء

۶۔ ''اخبار نامہ احمد گنج''، مروڈ جزیرہ، قلمی، جلد اوّل،

۷۔ ''اخبارِ بلدیہ''، خصوصی شمارہ، دسمبر؍جنوری ۸۸-۱۹۸۷ء،

۸۔ اخبار قبیلۂ شجاع الدین طیبی، جلد دہم

۹۔ "The Daily Mirror"، ۲۲؍مئی ۱۹۳۷ء، لندن۔

۱۰۔ "Clive Macmanus"، ''ڈیلی میل''، ۲۴؍مئی ۱۹۳۷ء، لندن۔

۱۱۔ "The Indian Magazine"، جولائی ۱۹۲۳ء، لندن۔

۱۲۔ "The Studio" مارچ ۱۹۱۴ء، لندن۔

۱۳۔ "The Daily Telegraph"، جولائی ۱۸۱۴ء، لندن

۱۴۔ "The Times"، جولائی ۱۹۲۵ء، لندن۔

۱۵۔ "The Bulider"، دسمبر ۱۹۲۹ء۔

۱۶۔ ''جنگ''، روزنامہ، کراچی، ۷؍جنوری، ۳۱؍مارچ ۱۹۶۷ء

رسائل:

۱۷۔ ''الناظر''، اگست ۱۹۰۹ء، لکھنؤ۔

۱۸۔ ''خاتون''،علی گڑھ،جنوری ۱۹۰۶ء۔

۱۹۔ تہذیبِ نسواں''،۱۴رجون۱۹۳۰ء،۱۷رجنوری۱۹۳۱ء،۲رجولائی۱۹۳۲ء۔

۲۰۔ تہذیبِ نسواں'' اگست ۱۹۳۰ء۔

۲۱۔ ''عصمت''،فروری۱۹۴۱ء،دہلی۔

۲۲۔ ''عصمت'' کے ۱۹۲۷ء کے شمارے

۲۳۔ ''ماہِ نو''،جولائی۱۹۶۷ء

۲۴۔ ''ماہِ نو''،اپریل ۱۹۶۷ء،کراچی۔

۲۵۔ ''مخزن''،لاہور،دسمبر۱۹۱۴ء،

۲۶۔ ماہنامہ ''زمانہ''۱۹۱۴ء،کانپور۔